نقوشِ عصمت

چہاردہ معصومینؑ کی مکمل سوانح حیات

علامہ السید ذیشان حیدر جوادی

ناشر



محفوظ بک ایجنسی ۔ مارٹن روڈ کراچی

Tel: 4124286- 4917823 Fax: 4312882

E-mail: anisco@cyber.net.pk



علامہ السید ذیشان حیدر جوادی

نام کتاب: نقوش عصمت
مصنف: علامہ السید ذیشان حیدر جوادی
کتابت: جلال الدین احمد
پہلا ایڈیشن (ہندوستان): اکتوبر ۱۹۹۲ء
دوسرا ایڈیشن (پاکستان): جون ۲۰۰۰ء
تعداد: ۱۰۰۰
بہ تعاون: تنظیم المکاتب، لکھنؤ، انڈیا
قیمت: -/۱۷۵

ناشر

محفوظ بک ایجنسی ✿ مارٹن روڈ کراچی
Tel: 4124286- 4917823 Fax: 4312882
E-mail: anisco@cyber.net.pk

قطعہ تاریخ وفات

از شاعر آلِ محمدؐ ریحان اعظمی



نقوشِ عصمتِ ذیشان جوادی سے ظاہر ہے
اگر انسان سچا ہو تو سچ کہتی ہیں تحریریں
قلم معصوم کی تعریف میں جس وقت چلتا ہے
تو مٹ جاتی ہیں فکر خام سے باطل کی تصویریں

۲۰۰۰ء



منبر سے جس نے منزلِ عقبیٰ کو پالیا
مجلس سے جس نے خلد کا رستہ بنالیا
نقوش عصمت کامل و ذیشان مرتبت
جس نے اجل کو قدموں پہ اپنے جھکالیا

۲۰۰۰ء



خطاب شامِ غریباں میں کرنے آئے تھے
نظر کے سامنے جلتے گھروں کا منظر تھا
دیارِ فانی سے ذیشان اس ادا سے گئے
غمِ حسینؑ تھا فرشِ عزا تھا منبر تھا

۲۰۰۰ء

پیش گفتار

حجتہ الاسلام علامہ سید ذیشان حیدر جوادی کی معرکتہ الآرا کتاب ''نقوش عصمت'' اپنے موضوع پر ایک جامع، مستند، مفید اور مربوط تحریر ہے، علمی حلقوں میں اس کی پذیرائی اور اس کی قبولیت و مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اس کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگیا۔ اور میں ابھی دوسرے ایڈیشن کی طباعت کا عزم کر ہی رہا تھا کہ یہ روح فرسا خبر ملی کہ سرکار علامہ ۱۰ محرم کو اعمال عاشورہ بجالانے کے بعد مجلس عزا سے خطاب، فرما کر اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

علامہ جیسے مجاہد راہ حق کی جدائی اور ان کی اچانک دار البقا کی طرف روانگی کے حادثے اور جانکا صدمے نے دل و دماغ کو معطل کر کے رکھ دیا۔ سرکار علامہ میرے بزرگ، میرے مشفق، میرے محسن اور میرے ہمدرد و بہی خواہ تھے، ان کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں انہوں نے مذہبی، قومی، علمی اور ادبی دائرے میں جو وسیع خدمات انجام دی ہیں اس سے ہر علم دوست اور قوم کا ہر باشعور و دیندار فرد آشنا ہے۔ وہ اپنے اخلاص، دینی بصیرت، تبحر علمی، تحریر خطابت، داعی دینداری کے حوالے سے ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور زندہ ہیں۔

علامہ جیسی علمی شخصیت، خلیق و ملنسار و مشفق ہستیاں کبھی نہیں مرا کرتیں وہ اپنے کردار و کارناموں کی وجہ سے ہمارے دلوں اور ذہنوں میں علم کی نور و ضیا بن کر زندہ رہیں گے۔ یقین نہیں آتا کہ وہ ہم سے جدا ہوگئے ہیں ایسا لگتا ہے کہ وہ ہمارے درمیان موجود ہیں، ان کی مسکراہٹ، ان کا انداز اور ان کی آواز بڑی قریب سے سنائی دے رہی ہے جیسے وہ کہہ رہے ہوں۔

یوں تو منہ دیکھے کی ہوتی ہے محبت سب کو
میں تو جب جانوں مرے بعد میرا دھیان رہے

میں نے شاید زندگی میں کبھی اتنی توجہ سے انہیں نہیں سنا اور پڑھا جتنی توجہ سے ان

کی وفات کے بعد، انہیں سن کر اور انہیں پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ جیسے جینے کے ڈھنگ اور مرنے کی تیاری کے لئے نشان راہ مل گئے ہوں۔ پروردگار عالم ان کی قبر کو منور فرمائے۔ ان کی لحد پر اپنی رحمت کا نزول فرمائے، انہیں جوار سید الشہدا علیہ السلام نصیب فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور علامہ جیسی با عمل و متوازن زندگی گزارنے کی توفیق دے۔

کچھ ''نقوش عصمت'' کی عظمت کے بارے میں

حجتہ الاسلام علامہ سید ذیشان حیدر جوادی نے اپنی معروف ایمان افروز اور فکر انگیز کتاب میں نقوش عصمت کو انتہائی فکر و ذہانت کے ساتھ ابھارا ہے اور سیرت معصومینؑ میں تاریخ کے بعض ایسے واقعات و حوادث کی طرف متوجہ کیا ہے جن کی طرف عام مورخین کی نظر نہیں جاتی یا وہ انہیں قابل ذکر نہیں سمجھتے۔ علامہ جوادی نے معصومینؑ کی حیات طیبہ و اسوۂ حسنہ کے تمام اہم ابواب کو نہایت اختصار کے ساتھ اور آسان زبان میں پیش کرنے کی بہت اچھی کوشش کی ہے اور اس بات کا خاص لحاظ و اہتمام رکھا ہے کہ سیرت معصومینؑ کے واقعات اور ان کے اوصاف و فضائل کو انتہائی صحت کے ساتھ سیدھے سادے اسلوب میں اہل نظر تک منتقل کیا جائے۔

علامہ کا مطالعہ برسوں سے ان ذوات مقدسہ کی سیرت یعنی سیرۃ المعصومینؑ کے سلسلے میں بہت گہرا ہے اور ان کی نظر تمام مآخذ پر ہے اس لحاظ سے ان کی یہ کتاب مستند حیثیت رکھتی ہے نقش ثانی میں ہم نے معروف ریسرچ اسکالر آل محمد رزمی صاحب کا مقدمہ بھی شامل کر دیا ہے۔ امید ہے کہ اہل دانش اور معیاری مطالعہ کا ذوق رکھنے والے ہماری اس سعی پیہم و مساعی جمیلہ کو پسند فرمائیں گے۔ میں، میرے اہل خانہ اور اراکین محفوظ بک ایجنسی سرکار علامہ کے اہل خانہ کی خدمت میں دلی تعزیت پیش کرتے ہیں ذات واجب ان کے تمام پسماندگان و متعلقین ولواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

سید عنایت حسین رضوی

نقوش عصمت اور علامہ جوادی

تحریر:۔ آل محمد رزمی۔ ایڈیٹر ماہنامہ اصلاح کراچی

حیات انسانی قطعی عارضی وفانی ہے مگر اس کا ایک ایک لمحہ کائنات کی سب سے قیمتی متاع کی حیثیت رکھتا ہے۔ حجتہ الاسلام علامہ سید ذیشان حیدر جوادی مرحوم بساط بھر زندگی اور وقت کے بہترین استعمال THE BEST USE OF کیلئے کوشاں رہے۔ اس کا ثبوت "نقوش عصمت حیات چہاردہ معصومین" ہے۔

یہ کتاب حیات چہاردہ معصومینؑ کا ایک موضوعاتی اشاریہ SUBJECT WISE INDEX ہے۔ جس میں معصومین کی شخصیت، مرتبہ ومنزلت، علم وحلم، عظمت کردار، تہذیب نفس، خصائص، امتیازات معنوی کمالات، خطبات، اخلاق واوصاف حمیدہ، صفات جلیلہ، ان کی گرانقدر وجامع تعلیمات، وقیع ملفوظات اطوار وعادات، عبادت وریاضت، شجاعت وشہامت، سیرت، معصومین کا مقصد حیات، انکے عبادی معاشرتی، معاشی، معاملاتی اور ذاتی ضوابط اخلاق، معصومین کے دور کے سیاسی حالات اموی وعباسی حکمرانوں کے مظالم مشکلات کا اجمالی وتحقیقی جائزہ ہے۔

حیات معصومینؑ پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور بظاہر اس سلسلے میں مزید کسی کام کی گنجائش کم ہی دکھائی دیتی تھی مگر علامہ جوادی نے اپنے تبحر علمی اپنی بصیرت وذکاوت، اپنی تحقیق وجستجو کی روشنی میں بڑی عمدگی وژرف بینی سے موضوع کا احاطہ کیا ہے، تحقیق، تطبیق، تدقیق اور تخلیق سے آمیخت نقوش عصمت کو دل نشیں بنادیا ہے۔

علامہ جوادی کی یہ تصنیف ان کے گہرے دینی شعور، اخلاص وللہیت، جذبہ ایمانی ومحبت اہلبیت اور موثر داعیانہ اسلوب کی شاہد ہیں ان کا قلم محض ایک بلندپایہ عالم وادیب ہی کا قلم نہیں ایک داعی ومربی کا قلم بھی ہے۔ اس لئے انکی تحریر میں تحقیق کے ساتھ

ساتھ خلوص ودردمندی کی وجہ سے گہری تاثیر بھی پائی جاتی ہے۔ قدرت نے انہیں صلاحیت وحکمت تبلیغ سے بہرۂ وافر عطا کیا ہے اور وہ سادہ مگر دلچسپ اور مؤثر انداز سے بات کہنے کی قابل رشک صلاحیت سے مالامال ہیں۔

انہوں نے اس کتاب کے لوازمے کی تلاش میں بڑی جگر کاوی سے کام لیا ہے اور عام ڈگر سے ذرا ہٹ کر لکھا ہے۔ بالعموم دیکھا گیا ہے کہ علمی ثقاہت کے بوجھ تلے شاعری اور تحریر کی شگفتگی دم توڑ جاتی ہے۔ مگر علامہ جوادی کی نثر کی یہ نمایاں خوبی ہے کہ خالص علمی موضوع کی گتھیاں سلجھاتے ہوئے بھی ان کی تحریر میں سلاست وروانی سادگی وشگفتگی برقرار رہتی ہے۔ وہ ایک منجھے ہوئے ادیب اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ ان کا اسلوب سہل اور رواں دواں ہے۔

آج "جب نقوش عصمت" دوبارہ زیر طباعت ہے تو وہ علم نبیل وفاضل جلیل اس دار فانی سے رخصت ہو کر خالق حقیقی سے جاملا ہے لہٰذا انکی محبت کی قرض کی ادائیگی اور عقیدت کے طور پر انکی رشحات کے ساتھ ساتھ انکی ذات وبامقصد حیات کے بھی کچھ نقوش اس کتاب کے مقدمہ میں شامل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

نقوش علامہ جوادی علیہ الرحمہ

نام:۔	ذیشان حیدر
لقب:۔	جوادی
تخلص:۔	کلیم
والد گرامی کا نام:۔	مولانا سید محمد جواد
مقام ولادت:۔	کراری ضلع الہ آباد (ہندوستان)
سن پیدائش:۔	یکم اکتوبر ۱۹۳۸ء مطابق ۲۲/رجب ۱۳۵۷ھ

ابتدائی تعلیم:۔ کراری میں اپنے والد گرامی اور دیگر علماء سے حاصل کی

ثانوی تعلیم:۔ جامعہ ناظمیہ لکھنؤ

اعلیٰ دینی تعلیم:۔ درجۂ اجتہاد نجف اشرف

تالیف وتصانیف کی تعداد تقریباً دوسو (۲۰۰)

علمی آثار:۔ دوسو کتابوں کے علاوہ مجالس، تقاریر ودروس کے تقریباً دس ہزار آڈیو / ویڈیو کیسٹس وسی ڈیز۔

اولادیں:۔ تین بیٹے اور چار بیٹیاں۔ آپ کے دو فرزند ثقۃ الاسلام مولانا جودی اور ثقۃ الاسلام مولانا احسان حیدر عالم دین ہیں۔

قومی خدمت ومسئولیت: صدر تنظیم المکاتب ہندوستان، بانی حوزہ علمیہ انوار العلوم الہ آباد۔ نگران پندرہ روزہ تنظیم المکاتب لکھنؤ، نمائندہ ولی امور مسلمین حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای

وفات:۔ روز عاشورہ ۱۴۲۱ ھجری بمقام ابو ظہبی

جائے مدفن: الہ آباد

اوصاف حمیدہ:۔ علامہ ایک باعمل عالم ہونے کے ساتھ ساتھ قادر الکلام اور پختہ شاعر تھے آپ کے چار دیوان، کلام کلیم، پیام کلیم، سلام کلیم اور بیاض کلیم طبع شدہ موجود ہیں۔

☆ علامہ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں خطابت فرماتے تھے۔

☆ علامہ مرحوم ۱۶ سال کی عمر میں اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے نجف اشرف تشریف لے گئے۔

☆ علامہ مرحوم نے ۱۷ سال کی عمر میں کتاب "نص واجتہاد" تحریر کی۔

☆ ۱۸ سال کی عمر میں آیت اللہ باقر الصدر کی کتاب "فدک فی التاریخ" اور ۲۰ سال کی عمر میں "اقتصادنا"۔ ۲۱ سال کی عمر میں علامہ عبداللہ الخنیزی کی کتاب "ابو طالب

مومن قریش" کا ترجمہ فرمایا۔

☆ علامہ مرحوم صرف ۲۷ سال کی عمر میں درجۂ اجتہاد کے قریب پہنچ چکے تھے۔

☆ علامہ مرحوم نے ۳۸ مختلف ممالک میں تبلیغی خدمات انجام دیں۔

علامہ ذیشان حیدر جوادی طاب ثراہ کی زندگی مشکلات وجدوجہد سے عبارت تھی انہوں نے ایک مصروف وپاکیزہ زندگی گزاری وہ بیک وقت محراب ومنبر اور تحریر وتقریر کے آدمی تھے، انہوں نے قوم کے شعور فرد یعنی قوم کے بچوں کو ابتدائی دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کا عزم مصمم کر رکھا تھا۔ انہیں قوم کے نوجوانوں کی تعلیم وتربیت کا خیال تھا انہیں قوم کے بزرگوں کی علمی وفقہی استعداد میں اضافہ کی فکر تھی۔

انہیں شریعت کی برتری، غیر اسلامی رسوم ورواج سے گلو خلاصی اور منبر کے تقدس کو بحال وبرقرار رکھنے کی فکر تھی وہ کہیں بھی جاتے مجلس ہو یا محفل، نجی نشستیں ہوں یا سفر وہ تبلیغ کی کوئی نہ کوئی راہ اور کوئی نہ کوئی پہلو ڈھونڈ ہی لیتے تھے۔ یہاں تک کہ دعوتوں میں کوئی نہ کوئی قصہ ایسا چھیڑ دیتے جسمیں وعظ ونصیحت کا کوئی نہ کوئی گوشہ ضرور پوشیدہ ہوتا تھا وہ تحریک دینداری کے پرجوش علمبردار ہونے کی وجہ سے اپنی مسئولیت وذمہ داری کو خوب سمجھتے تھے۔

شاید یہ ہماری ناقدری وبے مہری کا نتیجہ ہے کہ ذات واجب نے ہم سے علم وعمل کی اس دولت کو چھین لیا ہے اور موت کی تند وتیز آندھی مسلسل ہمارے علمی چراغوں کو بجھائے جا رہی ہے حجۃ الاسلام استاد الاساتذہ مولانا محمد حسین نجفی، رئیس المناظرین سرتاج تحریر مولانا سید کرار حسین واعظ، حجۃ الاسلام مولانا سید محمد محسن گوپالپوری پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنؤ ابن مولانا سید راحت حسین گوپالپوری طاب ثراہ مولانا مجتبیٰ علی خان ادیب الہندی کے بعد حجۃ الاسلام علامہ سید ذیشان حیدر جوادی کا اچانک ہم سے رخصت ہو جانا کسی عظیم سانحہ اور کڑی آزمائش سے کم نہیں۔

ایک ایسے وقت میں جب مذہب کو از کار رفتہ قرار دیا جا رہا ہو دین کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھا جا رہا ہو، قوم کی علمی استعداد عبرتناک سطح تک گر چکی ہو رسومات کو مذہب کا نام دیا جا رہا ہو، لادینیت کا سیلاب اپنے پورے باڑھ پر ہو بے علمی بام عروج پر ہو، قوم عقائد کے نام پر بٹ چکی ہو اور باعمل و دیندار علماء بے عمل عوام کے سنگ ملامت کی زد میں ہوں تو علماء پر فرض ہے کہ وہ مصلحت کوشی کا دامن چھوڑ کر اعلائے کلمۃ الحق کریں۔

علامہ جوادی ساری زندگی تمام مصلحتوں اور مفادات سے بالاتر ہو کر اعلائے کلمۃ الحق کرتے رہے، اور امر بالمعروف ان کی زندگی کا منشور، نصب العین اور ہدف تھا، قحط الرجال کے اس دور میں علامہ جوادی جیسی معقول شخصیت "SUBSTANTIAL PERSON" صائب الرائے دیندار، خلیق و ملنسار، متوازن، معتدل اور جید عالم Polyhistor کا سانحۂ ارتحال عامۃ المومنین اور خصوصاً شیعان ہند و تنظیم المکاتب ہندوستان کے لئے ایک عظیم نقصان ہے جس کا جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

وہ ایک معروف مذہبی اسکالر، شیعہ قوم کا تشخص، بذلہ سنج، ذی علم، نیک نفس، متقی و پرہیز گار انسان، تھے مرحوم اپنی ذات میں ایک انجمن و ایک ادارہ تھے وہ گذشتہ ۴۰ سال سے کشت علم و ادب کی آبیاری کر رہے تھے انہوں نے اپنے علم کو عمل اور فن کو زندگی اور شخصیت کا جزو لاینفک بنا دیا تھا۔

مرحوم نے سالہا سال باب مدینۂ علم پر جبیں سائی کی اور در اہل بیتؑ پر گدائی کی، اپنی فکر کو دجلۂ فن اور فرات علم میں غوطہ دیا اور اپنے قلم کو خاک نجف سے صیقل کیا، ان کی زندگی جد و جہد سے عبارت تھی سالہا سال ابو ظہبی میں محراب کی ذمہ داری پوری کرتے رہے، برسہا برس اپنی خطابت سے اطراف و اکناف میں بسنے والے شیعوں کو جگاتے رہے، تنظیم المکاتب ہندوستان کی ذمہ داری ہو یا جامعہ انور العلوم کی مسئولیت یا ولی امیر مسلمین مقام معظم رہبری کی نمائندگی کے فرائض ہوں، علامہ ہر محاذ، ہر میدان میں پیش

پیش رہے۔ شعر و سخن کی محفل ہو یا مجلس سید الشہداء، علمی و تعلیمی کانفرنسیں ہوں یا قومی و فکری موضوع پر سیمنار، قومی و سماجی معاملات ہوں یا گوشہ نشین علماء و اہل علم کی خدمات ہر جگہ علامہ ہراول دستے کے سپاہی کے فرائض انجام دیتے رہے۔

علامہ جوادی کی تحریک دینداری

علامہ جوادی قومی درد رکھتے تھے، وہ قوم کے علمی و فکری انحطاط کو دیکھتے تو ان کا دل کڑھتا، کتنی ہی راتیں قوم کے مسائل پر غور و فکر میں گزار دیں ان کا خیال تھا کہ قوم قرآن و تعلیمات محمدؐ و آل محمدؑ سے دور ہو گئی ہے اور قرآن و اہلبیتؑ نے زندگی کا جو تصور دیا ہے اسے ہم صحیح طور پر سمجھنے میں کوتاہی کر رہے ہیں، چنانچہ انہوں نے اصلاحی کام کا آغاز کیا اور شیعوں کو یہ سمجھانے کی کوشش شروع کر دی کہ اسلام دین اور دنیا دونوں کا جامع ہے، انہوں نے تبلیغی مقصد کے لیے مجلس، نجی نشستوں، سفر، کانفرنسوں اور سیمناروں کا انتخاب کیا، وہ ہر محفل و ہر مجلس میں تبلیغ کرتے، کہیں دعوت میں ہوں یا کوئی ان سے ملنے کے لیے آئے، سفر پر ہوں تو ہمسفروں میں اگر قوم کا کوئی فرد نکل آتا تو علامہ موقع غنیمت جان کر اس کی فکری تربیت شروع کر دیتے، زندگی کے آخری دنوں میں علامہ ہمہ وقت اپنے مشن پر کام کر رہے تھے۔ شاید انہیں اندازہ تھا کہ وقت کم ہے اور کام بہت زیادہ ہے، وہ مشکلات کو ذرا بھی خاطر میں نہ لاتے، مسائل کا چیلنج قبول کرنے اور آگے بڑھ کر قربانیاں دینے کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتے تھے۔

علامہ جوادی کا زہد و ورع

علامہ ذیشان حیدر جوادی ایک زاہد حقیقی تھے، عبادت و بندگی کو ان کی زندگی میں اوّلیت حاصل تھی۔ وہ نماز کے اوقات کی بڑی پابندی فرماتے تھے، نماز شب کے پابند تھے اور ہمیشہ اپنے ملنے والوں سے نماز شب کی تاکید کرتے تھے، ابو ظہبی کے مومنین جنہوں

نے بیس سال علامہ کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے یا اعمال ماہ شعبان ور مضان کیے ہیں۔ وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ مولانا کس خضوع و خشوع سے اعمال بجالاتے تھے کس قدر ڈوب کر دعا کرتے اور مناجات پڑھتے۔ انہیں عبادت سے عشق تھا۔

علامہ جوادی ایک عظیم مُصلح اور داعی

علامہ جوادی کی شخصیت اپنی گو ناگوں خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے بڑی ہی پرکشش تھی مگر ان کا نمایاں ترین وصف یہ تھا کہ وہ نماز سے غفلت برتنے والوں کو پسند نہ کرتے تھے، خمس وزکوٰۃ کی پابندی نہ کرنے والوں پر تنقید کرتے تھے۔ داڑھی منڈانے والوں کو نصیحت کرتے تھے اور بے حیائی، فسق وفجور اور باطل کے خلاف احتجاج کی ایک چنگاری تھے...... ایسی چنگاری جو ایک لمحے کے لیے بھی سرد نہ ہو ان کو وہ بجھا ہوا ایمان کبھی راس نہ آیا جو صاحب ایمان کو متحرک اور بے تاب نہ کر دے، چنانچہ اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے اپنا کرب و درد اور اپنا سوز و تپش دوسروں میں منتقل کرتے اور مومنین کے دلوں کو گرماتے رہے۔

ہمارے لیے سبق

علامہ جوادی کی زندگی میں ہمارے لیے کئی سبق ہیں، وہ دین کی ذمہ داری، اطاعت خداوندی، عبادت وبندگی، واجبات کی ادائیگی اور تقلید کا ہمیں مسلسل احساس دلاتے رہے ہمیں چاہیے کہ ہم اس کا احساس کریں اور دوسروں میں بھی معرفت دین کا شعور واحساس پیدا کریں، انہوں نے تجدید واحیائے دین کی تحریک چلائی اور محمدؐ و آل محمدؐ کی تعلیمات پر عمل کی دعوت دی، اس راہ میں طرح طرح کی پریشانیاں اٹھائی، سختیاں سہیں، اذیتیں برداشت کیں اور ہر قسم کی قربانیاں دیں۔ مگر کبھی مصلحت پسندی و مصلحت بینی سے کام

نہیں لیا خطرات واندیشوں کو کبھی خاطر میں نہ لائے بلکہ تحریک دینداری کے لیے اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیں۔ اگر اقامت دین کا کام کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی اسی جذبہ وذمہ داری کا نمونہ پیش کرنا ہوگا۔

ان کی بے وقت موت سے تفقہ وتدین کی مسند ویران ہوگئی، قافلۂ تحریک دینداری کی رفتار تھم گئی، ذمہ دارانہ خطابت کا گلشن اجڑ گیا، کردار وعمل کی شمع بجھ گئی۔ بوذر صفاتی ودرویشی کا سورج غروب ہو گیا جب دکھ بیدار ہوں اور ذہن ودل دریا ہوں تو احساسات وجذبات کی عکاسی وصورت گری مشکل ہو جاتی ہے۔ خالق ارض وسماء علامہ مرحوم کو جوار سید الشہدأ عطا فرمائے اور ان کی لحد پر اپنی رحمت کا نزول فرمائے۔

برادر عزیز سید عنایت حسین علامہ جوادی مرحوم کی شہرہ آفاق کتاب "نقوش عصمت" دوبارہ شائع کر رہے ہیں۔ علامہ سے قربت وقرابت داری کا یہی تقاضہ ہے کہ ان کے آثار کو نہ صرف باقی رکھا جائے بلکہ ان کی روشن تحریروں سے اہل فکر ونظر اور مومنین کو زیادہ سے زیادہ روشناس کرایا جائے۔

مذہبی، دینی، علمی، تاریخی، تدریسی اور معیاری کتب کی اشاعت کے حوالہ سے محفوظ بک ایجنسی مارٹن روڈ اور اسکے روحِ رواں عنایت حسین کا نام تعارف سے بے نیاز ہے۔

عنایت صاحب نہ صرف کتاب کی اہمیت، افادیت، وقعت، ضرورت اور عظمت کو پیش نظر رکھتے ہیں بلکہ کتابت وطباعت میں عصری تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے خوشگوار تبدیلیاں کرتے رہتے ہیں۔

سرورق ہو کہ کتابت وکمپوزنگ یا طباعت، وہ دل کشی کو ماند نہیں پڑنے دیتے نہ معیار کو گرنے دیتے ہیں مجھے اُمید ہے کہ وہ علامہ کی دیگر کتابوں کی اشاعت کی ذمہ داری کو قبول کرتے ہوئے اور انکی محبت کا قرض ادا کرتے ہوئے ان کتابوں کو بھی شائع کریں گے جو ابھی تک پاکستان میں متعارف یا شائع نہیں ہوئی ہیں۔

کلیم الہ آبادی (علامہ جوادی)

شعر و سخن کے آئینہ میں

تحریر:۔ آل محمد رزمی

شاعر جذبات و احساسات کا آئنہ دار ہوتا ہے وہ اپنے خیالات و افکار، واردات و مشاہدات نظریات و عقائد کو لفظوں کے خوبصورت پیکر میں ڈھالتا ہے۔ لیکن لفظوں کی اس اصنام گری سے وہ سچا شاعر نہیں بن جاتا۔ سچی شاعری جذبوں کی سچائی، بے لاگ مشاہدے، احساسات کی پاکیزگی، روح کی بالیدگی، فکر کی طہارت اور دُرون بینی سے حاصل ہوتی ہے، یہ کام ایک عام آدمی کے مقابلے میں شاعر زیادہ سلیقے سے کرتا ہے۔

کیونکہ شاعر کو اظہار کا سلیقہ آتا ہے وہ اپنے دل پر گزری ہوئی کیفیت بھی بیان کر سکتا ہے، دوسروں کے جذبات کی ترجمانی اور ماحول کی عکاسی بھی کر سکتا ہے۔ لیکن کسی بھی شاعر کی شخصیت سے کماحقہ یا کسی حد تک آشنائی کے بغیر اس کی شاعرانہ عظمت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

علامہ سید ذیشان حیدر جوادی کلیم الہ آبادی کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں وہ ایک مفسّر بھی ہیں ایک مفکر بھی، فقیہ بھی ہیں مؤرخ بھی، ادیب بھی ہیں شاعر بھی، صاحب محراب بھی ہیں اور صاحب منبر بھی لہٰذا ان کے شعور کا دھارا کسی ایک خصوصی سمت نہیں بہتا وہ سلام بھی کہتے ہیں قصیدے بھی۔ غزل بھی کہی ہیں نظم بھی اس کے علاوہ نعت، رباعی اور مناقب نگاری پر بھی پوری دست گاہ رکھتے ہیں۔

کلیم الہ آبادی کے سلام کے چند اشعار سے ہی ان کی شاعری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

علم کے ساتھ ہے مشک۔ سکینہؑ یوں جیسے
چچا گلے سے بھتیجی کو ہو لگائے ہوئے

تمام ظلم کے طوفاں تھے غرق حیرت میں
بفیض تشنہ لبی پار اتر گئے عباسؑ

ہر ایک قوم کے لب پر ہے اب حسینؑ حسینؑ
حسینؑ سارے جہاں کو جگا کے سوئے ہیں

کربلا تیرے سوا کس نے کبھی دیکھا ہے
ایک کردار کے ٹکڑوں کا بہتّر (۷۲) ہونا

چشم ایماں میں، نصیری ہیں الگ، ہم ہیں الگ
وہ خدا کہتے ہیں ہم شیر خدا کہتے ہیں

حشر تک سوئے گی زنداں میں سکینہؑ چین سے
کہیے گا بابا سے اب تڑپیں نہ دختر کے لیے

کلیم الہ آبادی نے واقعات کربلا کے مقاصد اور درسگاہ کربلا کو سمجھنے کے لیے اپنی آنکھ کو بطور حوالہ استعمال کیا ہے اور عقل و آنکھ کے اندھوں پر بھی تنقید کی ہے۔

آنکھ اندھی ہو تو پتھر نظر آتے ہیں خدا
عقل اندھی ہو تو پھر نور خدا بھی ہے بشر

کلیم الہ آبادی کے کلام کی انفرادیت، ان کی سادگی و سلجھی ہوئی زبان اور شائستہ لہجے میں ہی نہیں ان کے انداز نظر میں بھی ہے۔ وہ ایک سلیم الطبع، مہذب اور باضمیر انسان ہیں، خوش اخلاق، خوش فکری اور تہذیب نفس کے امتزاج سے ان کے کلام میں موضوعی اور معروضی دونوں سطحوں پر ایک ایسا توازن جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ جس سے فنکار کی دیانت داری اور جذبات کے خلوص کا پتہ چلتا ہے۔

اب فقط تذکرۂ خاک شفا باقی ہے
ہوگئی ختم ہر اک مرہم و اکسیر کی بات

طعنہ ابتر کو سنکر احمد مختار نے
جو خلوص دل سے مانگی وہ دعا ہیں فاطمہؑ

روٹیاں لے کر فلک والوں نے ثابت کر دیا
جو در حیدرؑ سے ملتا ہے وہ صدقہ اور ہے

نشان سجدہ کے ساتھ یارو نشان ماتم بھی ہے ضروری
وہ مال محشر میں ہوگا جعلی کہ جس پر ان کا نشاں نہیں ہے

دیکھ لیں ہم بھی کہ محشر کی حقیقت کیا ہے
پردہ اٹھنے سے اگر حشر نمایاں ہوجائے

کلیم اللہ آبادی کی مشق وریاضت، خلوص و توجہ، شعور و آگہی کی مرہون منت ہے سلام کلیم سے بیاض کلیم تک انہوں نے فکر کی بہت سی منزلوں کو طے کیا ہے کہ چاروں دیوان میں کوئی چونکا دینے والا شعر نہیں ہے لیکن ان کی شاعری میں پیغام ضرور پایا جاتا ہے۔

یہ وہ دن ہیں کہ مذہب آدمی کا طاقت و زر ہے
کسی کا دین درہم ہے کسی کا دین ڈالر ہے

صحابہ ہم سے ہیں بہتر، پیمبر ہیں ہمیں جیسے
تو گویا یہ صحابہ، اب پیمبر سے بھی بہتر ہیں

ذکر علیؑ عبادت پروردگار ہے
مثل نماز اس کی بھی تکرار چاہیئے

دیگر اصناف سخن کے ساتھ ساتھ کلیم اللہ آبادی نے سلام بھی کہے ہیں۔ سلام عربی زبان کا لفظ ہے اور اسم مذکر ہے اس کے مختلف مضمرات و تعبیرات ہیں یہاں پر سلام فن نگاری پر بحث مقصود ہے نہ سلام کلیم پر نقد و نظر بر سبیل تذکرہ عرض ہے کہ سلام میں غزل کی طرح اعلیٰ درجے کے مضامین از قسم واردات قلبی اور معاملات فکری و ذہنی نظم کیے جاتے ہیں۔ مگر اس میں غزل کا رنگ پیدا نہیں ہونے دیا جاتا۔ عموماً سلام میں واقعہ کربلا و شہادت حضرت علیؑ و حضرت فاطمہؑ اور شہادت حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ اور ان کے رفقاء کے مصائب بیان کیے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے اخلاقی، تمدنی، تہذیبی و مذہبی و دیگر امور جلیلہ جن سے شاعری کی زینت میں اضافہ ہو سکے منظوم کیے جاتے ہیں۔

کلیم اللہ آبادی کے سلام کے چند شعر کے مطالعہ سے ان کی سلام نگاری کی عظمت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حوصلہ شبیرؑ کا سر نامہ عزم و جہاد
صبر زینبؑ صبر کی تاریخ کا عنوان ہے

کتنے پرچم جھک گئے اور کتنے جھنڈے گر گئے
اک علم اور ہر دور میں اونچا رہا عباسؑ کا

ہر جگہ شمع حسینی کو فروزاں کر دو
کون جانے کے ستمگر ہوں کہاں سے پیدا

عکس کردار نبیؐ صلح حسنؑ جنگ حسینؑ
اک جمالی ہے تو ہے ایک جلالی تصویر

جو آل محمدؐ کا پرستار نہیں ہے
اس کا کوئی مذہب کوئی کردار نہیں ہے

ان کا آخری شعر جو آپ نے اپنی رحلت سے ایک دن قبل ۹ محرم الحرام کو کہا تھا۔

بدحت آل کی توقیر تو رہ جائے گی
میں نہ رہ جاؤں گا تحریر تو رہ جائے گی

کلیم الٰہ آبادی اپنے سلام میں ہمیشہ روایت کا خیال رکھتے تھے اور جدّت وجدیدیت کے چکر میں نہیں پڑتے تھے۔

کلیم آبادی نے غزل بہت کم کہی ہیں لیکن ان کے سلام میں غزل کا رنگ صاف جھلکتا ہے اہل فن جانتے ہیں کہ غزل کا فن ریزہ خیالی کا فن ہے اس کا ہر شعر ایک اکائی ایک حادثے، ایک تجربے یا ایک فرد سے مماثلت دی جاسکتی ہے، اکائیوں، حادثوں، تجربوں اور افراد کی یہ دنیا بوقلموں رنگارنگ اور وسیع ہے۔ کہ اس صنف سخن میں زندگی بھر کے سرمایہ کو اس طور سے سمیٹا کہ اس سے شاعر کی شاعری اور شخصیت کی ایک داستاں مرتب ہو جائے۔

بہت حسین تھا ماحول خود کشی کے لیے
مگر یہ میں تھا کہ جیتا رہا کسی کے لیے

انیس غم نبی ہیں یوں مری تنہائیاں اکثر
کہی ہے میں نے اپنے دل سے دل کی داستاں اکثر

ساقیا چشم عنایت کا سہارا چاہیے
کاسہ سر منقلب ہے شیشۂ دل چور ہے

یہ فقط جذب محبت کا اثر ہے ورنہ
کاغذی ناؤ کہیں چلتی ہے طوفانوں میں

عرض ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ السید ذیشان حیدر صاحب قبلہ جوادی مدظلہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں یہ ہماری قوم کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ علامہ موصوف نے ترجمہ و تفسیر قرآن کے بعد "نقوشِ عصمت" کو ضبطِ تحریر میں لاکر گویا عالم اردو کے لیے نصاب ہدایت مکمل کر دیا یعنی! قرآن مقدس کا ترجمہ بھی اور حیات معصومین کی ترجمانی بھی۔

علامہ جوادی مدظلہ کی قلمی خدمات کی فہرست بفضلہ بہت طویل ہو چکی ہے۔ مستند تاریخی ماخذوں سے واقعات کا انتخاب اور صحیح تاریخی پس منظر میں ان کا تجزیہ کر کے حیات معصوم کی معنویت کو قاری کے لیے قابل ادراک بنادیا ہے۔

ہم نصف صدی سے ترویجِ علومِ آلِ محمد علیہم السلام میں مصروف سفر ہیں۔ محمد باقر مجلسی رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق کتاب "بحار الانوار" کی بارہ جلدیں آسان اردو ترجمہ ہدیۂ قارئین کرنے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔

علامہ السید ذیشان حیدر جوادی مدظلہ کی اس گراں قدر تصنیف "نقوش عصمت" کے بعد ہم آپ حضرات کی خدمت میں علاّمہ کی دیگر تصانیف بھی جلد پیش کر رہے ہیں۔

ہم علاّمہ صاحب کے بے حد شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمارے ادارہ محفوظ بک ایجنسی کو پاکستان میں اپنی کتابوں کی طباعت کی اجازت عنایت فرمائی ہے۔

امید ہے کہ پیروان اہل بیت علیہم السلام خصوصی طور سے نوجوان نسل اس چشمہ ہدایت سے خاطر خواہ استفادہ کریں گے۔

اللّھم صل علیٰ محمدٍ و آل محمدٍ واجعلنا من اتباعھم
وسلّمھم و اولیائھم والحمدللہ اوّلاً و اخراً۔

السید عنایت حسین رضوی

اجازت نامہ طباعت

بسمہ سبحانہ

Syed Zeeshan Haider Jawadi
P. O. Box · 5318
ABU DHABI - U. A. E.

خادم الشریعة
السید ذیشان حیدر الجوادي
ص ب ۵۳۱۸
ابوظبی - الامارات العربیة المتحدة

جناب محترم عنایت حسین صاحب دام توفیقہ

سلام علیکم۔ مکتوب شریف وصول ہوا۔ [illegible] معلوم ہوئے۔ خدا را شکر کہ آپ [illegible]

"نقوش عصمت" لکھنے کا ارادہ اور اس کی اشاعت معلوم ہو۔

اس سے پہلے محترم مولانا [illegible] حسین صاحب دام مجدہ نے [illegible] کی اشاعت [illegible]

بسلسلہ [illegible] آپ [illegible] وصول ہو گیا

[illegible] اجازت [illegible] ہے۔ آپ [illegible] (نقوش عصمت) "نقوش عصمت"

"[illegible]" [illegible] شائع کر سکتے ہیں۔ [illegible] دعا [illegible]

[illegible]

[signature]

فہرست مضامین

بسمہ سبحانہ

عرضِ تنظیم

جادۂ حیات میں مسلمانوں کی راہنمائی کے لیے دو ہی مرکز ہیں: ایک اللہ کی مقدس کتاب، دوسرے معصومینؑ کی پاکیزہ سیرت۔ اور ان دونوں سے وابستگی کے بغیر زندگی کا سفر صحیح سمت میں جاری رکھنا ممکن نہیں۔ جس طرح قرآنی آیات میں غور و فکر معرفتِ الٰہی کا ذریعہ ہے اسی طرح حیاتِ معصومینؑ میں گذرنے والے واقعات کی معنویت تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش بھی رضائے الٰہی کا سبب ہے۔

اور جس طرح آیاتِ قرآنی کے دامن میں "مفاہیم" کا "بحرِ بے کراں" موجزن ہے اسی طرح معصومینؑ کے کارناموں کے دامن میں بھی تہ در تہ معنویت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے تشنگانِ علم و معرفت بقدرِ ظرف ان دونوں سرچشموں سے ہر دور میں سیراب ہوتے رہے ہیں اور سیراب ہوتے رہیں گے۔

علامہ سید ذیشان حیدر صاحب قبلہ جوادی مدظلہ نے ترجمہ و تفسیرِ قرآن کے بعد نقوشِ عصمت لکھ کر گویا عالمِ اردو کے لیے نصابِ ہدایت مکمل کر دیا، یعنی قرآن کا ترجمہ بھی اور حیاتِ معصومینؑ کی ترجمانی بھی۔ مگر قرآن کے ترجمہ کے مقابلہ میں یہ کام زیادہ مشکل ہے، اس لیے کہ قرآن "بسم اللہ" سے لے کر "الناس" تک سب کا سب ہمارے سامنے ہے اور اللہ نے اسے ہر طرح کے "ریب و عیب" سے پاک رکھا ہے اور اس کی اس طرح حفاظت کی ہے کہ دنیا کے کسی حصہ میں اور زمانے کے کسی وقفہ میں کوئی فرق نہ آیا۔

"نقوشِ عصمت" یعنی معصومینؑ کی سیرت کا معاملہ دوسرا ہے۔ دشمن حکومتوں کے زیرِ سایہ لکھی جانے والی تاریخ اپنے دامن میں معصومینؑ کے کارناموں کو جگہ دینا کیسے گوارہ کرتی۔ یہ تو عظمتِ کردار کی ہیبت تھی کہ اس نے "زبانِ خلق" بن کر تاریخ کے دامن میں اپنی جگہ خود بنا لی۔ جو واقعات محفوظ رہ گئے وہ بھی اس تاریخ کی پُر پیچ وادیوں میں بکھرے ہوئے ہیں جہاں حقائق کے ساتھ خود ساختہ روایتیں، اسرائیلی افسانے، دشمنوں کی اڑائی ہوئی افواہیں، بے معرفت انسانوں کی داستان گوئی اور برسرِ اقتدار حکومتوں کی ٹکسال میں ڈھلے ہوئے مفروضے بنام تاریخ

جمع کر دیے گئے ہیں۔ اس لیے سیرت نگاری "خذف ریزوں" کے انبار سے گوہر آبدار چن کر الگ کر دینے کا نام ہے اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ علامہ جوادی مدظلہ نے "نقوش عصمت" لکھ کر جو علمی کارنامہ انجام دیا ہے اس کے لیے بے پناہ علمی بصیرت کے ساتھ "تائید مولا" بھی درکار ہے۔

علامہ جوادی مدظلہ کے قلمی خدمات کی فہرست بفضلہ بہت طویل ہو چکی ہے اور تاریخ و تحقیق، اقتصادیات وسماجیات، فقہ وتفسیر، شعروادب، تقریباً ہر علمی اور دینی موضوع پر ان کی تصنیفات موجود ہیں۔ ملک و بیرون ملک گوناگوں مصروفیات کے باوجود ایک سال کے اندر ترجمہ وتفسیر قرآن، اور "کلام کلیم" کے بعد "نقوشِ عصمت" کی تکمیل تائید مولا نہیں تو اور کیا ہے۔ ہ انھوں نے کبھی گفتگو کے دوران فرمایا تھا کہ "کثرت کار" "نشاط کار کو ختم کر دیتی ہے۔ مگر "نقوش عصمت" جیسی تصنیف ان کے اس قول کی خود ان کے بارے میں تردید کر رہی ہے۔ نہ کہیں نشاط تحریر کی کمی پیدا ہوئی نہ کیفی، اور نہ آورد کا احساس ہوتا ہے۔ روانی کے ساتھ دلآویز طرز تحریر جو "روایتی" نہ ہونے کے باوجود نامانوس" نہیں ہے۔

مستند تاریخی ماخذوں سے واقعات کا انتخاب کر کے اور صحیح تاریخی پس منظر میں ان کا تجزیہ کر کے حیات معصوم کی معنویت کو قاری کے لیے قابل ادراک بنا دیا ہے۔ اکثر جگہوں پر معصومینؑ کی زندگی کے الگ الگ واقعات میں معنوی ربط کی نشان دہی یوں کر دی ہے کہ "ارباب عصمت" کی معرفت بآسانی حاصل ہو جاتی ہے۔

اردو کتابیات کی دنیا میں "نقوشِ عصمت" ایک گراں قدر اضافہ ہے قوم کی ایک بڑی ضرورت تھی جو پوری ہو گئی۔ ہمیں امید ہے کہ پیروانِ اہلبیتؑ اس چشمۂ ہدایت سے خاطر خواہ استفادہ کریں گے اور سُنی سُنائی پر اکتفا کرنے کے بجائے پڑھ کر سمجھنے کا جذبہ بڑھے گا۔

ہم اس قابل فخر پیش کش پر بارگاہِ الٰہی میں شکر گذار ہیں کہ اس نے ایسی عظیم خدمت کی توفیق عنایت فرمائی۔

والسّلام

صفی حیدر

سکریٹری تنظیم المکاتب۔ ہندوستان

بسمہ سبحانہ

حرفِ آغاز

بزرگانِ دین اور اولیا رخدا کی تاریخ حیات کا دریافت کرنا معرفت کے اعتبار سے عظیم ترین فریضہ ہے تو کردار سازی کے اعتبار سے اہم ترین وسیلہ۔ وہ انسان کسی طرح بھی دیانت دار نہیں کہا جا سکتا ہے جو اپنے پیشوا اور مقتدا کی تاریخ حیات یا اس کی سیرت کے نقوش وخطوط سے بے خبر ہو، اور وہ انسان کسی عنوان بھی صاحب کردار نہیں بن سکتا ہے جس کے سامنے کردار کے نمونے اور سیرت کے آئیڈیل موجود نہ ہوں۔ اندھیرے میں سفر کرنے والا منزل رسا نہیں ہوتا ہے اور اپنی پسند پر کردار کی عمارت کھڑی کرنے والا مجبوکا نگار نہیں ہو سکتا ہے۔

علما راسلام نے اسی نکتہ کی اہمیت کے پیش نظر ہر دور میں اولیا رخدا کی تاریخ حیات مرتب کی ہے اور اس کے مخصوص امتیازات وخصوصیات کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ "تاریخ انبیاء" کے نام سے کتابیں لکھی گئیں۔ "سیرت مرسلؐ اعظم" اور "سوانح حیات ائمہ معصومینؑ" کے عنوان سے کتابیں تالیف کی گئیں، بلکہ "تذکرۃ العلماء" جیسی کتابیں بھی منظر عام پر آئیں اور ان سب کا مقصد ماضی کے حالات کی نشاندہی کرنا یا زیر زمین دفن ہو جانے والے انسانوں کا بزور قلم زندہ کرنا نہیں تھا بلکہ ان سب کا واحد مقصد ان کی زندگی کے امتیازات کا نمایاں کرنا اور ان کی روشنی میں نئے کردار کی تعمیر کرنا تھا اور یہی وجہ ہے کہ تاریخ حیات میں صرف ان واقعات پر زور دیا گیا ہے جو اس مقصد کے لیے مفید تھے اور باقی حالات اور واقعات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے ورنہ ایک انسان کی ۶۰ سالہ زندگی کے جملہ جزئیات بھی درجنوں مجلدات میں جمع نہیں کیے جا سکتے ہیں۔ چہ جائیکہ سیکڑوں یا ہزاروں خاصان خدا کی زندگی کے جملہ حالات

کہ وہ چند کتابوں میں کس طرح درج کیے جاسکتے ہیں۔؟

ادھر تاریخ کی ستم ظریفی یہ رہی کہ مورخ نے خود اپنے ذوق کو بھی استعمال کیا ہے اور ذوق کے ساتھ مصالح وقت کو بھی نظر میں رکھا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بے شمار زندگیاں ناقابلِ تذکرہ قرار پاگئی ہیں اور بیشمار واقعات تاریخ کے قبرستان میں زندہ دفن کردیے گئے ہیں کہ ان واقعات سے بہت سے افراد کے نقائص اور عیوب کا اظہار ہوتا تھا، یا یہ واقعات ان سلاطین اور حکام کے مزاج پر بار تھے جن کی تحریک یا امداد پر مورخ نے قلم اٹھایا تھا، اور جن کی دولت کی فراوانی ہی مورخ کے قلم میں روشنائی کا کام کر رہی تھی۔

تاریخ نویسی اور سیرت نگاری کا المیہ بہت دردناک ہے اور اس سلسلہ میں ہونے والے مظالم کی خود اپنی بھی ایک تاریخ ہے اور اس کے درج کرنے یا اس پر بحث کرنے کا یہ محل نہیں ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے جملہ اہلِ نظر جانتے اور پہچانتے ہیں اور اس پر مزید بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس وقت جو موضوع اہمیت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ ماضی کے مورخین نے جس قدر بھی واقعات محفوظ کیے ہیں اور بعد کے اہلِ قلم نے ان واقعات سے جس قدر بھی استفادہ کیا ہے اور ان کی روشنی میں جس قدر بھی کتابیں اور تالیفات منظرِ عام پر آئی ہیں سب میں بھی ایک خاص عنصر نمایاں رہا ہے کہ سیرت نگار نے اپنے مخصوص ذوق کے مطابق واقعات کا انتخاب کیا ہے اور پھر مخصوص نظریات کے تحت ان سے نتیجہ اخذ کیا ہے اور اس طرح کتابِ سیرت بھی ایک مخصوص بصیرت کی محتاج ہوگئی ہے اور اس سے واقعی استفادہ کرنا بھی ایک مخصوص شعور کا محتاج ہوگیا ہے۔

میں اس واضح حقیقت کی مثالیں پیش کرکے "خطائے بزرگان گرفتن" کا مجرم نہیں بننا چاہتا اور نہ میرا مقصد بزرگوں کی توہین کرنا ہے۔ میرا مقصد صرف اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنا تھا جس کی بنا پر واقعات سے استفادہ میں تفاوت پیدا ہوگیا ہے اور جس نے ایک ہی سیرت کو مختلف کرداروں میں تقسیم کردیا ہے اور ضمناً اس کتاب کی ضرورت کی طرف بھی اشارہ کرنا ہے کہ سیرت و کردار معصومین پر مختلف زبانوں میں اس قدر کتابوں کے ہوتے ہوئے جدید کتاب کی ضرورت کیوں پیش آئی ہے اور اس میں کون سی خصوصیت پائی جاتی ہے جو دیگر کتابوں میں نہیں پائی جاتی ہے۔

اولاً تو اس قسم کے سوالات ہی انتہائی بچکانہ اور احمقانہ ہوتے ہیں اور ان سے انسان کی مذہبی بدذوقی کے علاوہ اور کسی بات کا اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ دنیا کے کسی موضوع پر کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا جاتا ہے کہ اس قدر گاڑیوں کے ہوتے ہوئے نئی گاڑی کیوں بنائی گئی ہے، یا اس قدر مشینوں کے ہوتے ہوئے نئی مشین کیوں ایجاد ہوئی ہے؟ یا اس قدر سامانِ حیات کے ہوتے ہوئے روزانہ نئے سامانِ حیات کیوں ایجاد کیے جا رہے ہیں؟ بلکہ وہاں ذوق کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ نئے سال کا ماڈل خریدا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ اس سال میں سامان ایجاد کرنے والے نے کون سی تکنیک اختیار کی ہے اور کس طرح اسے سال کے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ بنایا ہے لیکن مذہب میں ایک رسالہ عملیہ کو بھی سیکڑوں سال چلانے کی آرزو ہوتی ہے اور ایک ایک کتاب کو "ابدیت نشان" بنا دینے کی تمنا ہوتی ہے اور اس کا عمومی راز کتاب کی عظمت و اہمیت نہیں ہوتی ہے بلکہ مذہب میں بدذوقی اور بخل کی کارفرمائی ہوتی ہے کہ ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب کس طرح خریدی جاسکتی ہے۔

حقیر نے ترجمہ و تفسیر قرآن مجید کا کام شروع کیا تھا تو اس وقت بھی یہ بات بار بار سُننے میں آئی تھی کہ اس قدر تراجم و تفاسیر کے ہوتے ہوئے نئے ترجمہ اور تفسیر کی کیا ضرورت ہے۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ کسی دوسرے موضوع پر کام کیا جائے۔ اور آج "نقوشِ عصمت" کے اعلان کے ساتھ بھی یہی صدائے بازگشت سُننے میں آرہی ہے کہ فلاں فلاں جید علماء اور اہلِ قلم کی مختصر اور مفصل کتابوں کے بعد اس موضوع پر قلم اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ترجمہ و تفسیر قرآن مجید کی اشاعت کے بعد بے شمار اہلِ علم و ہنر اور اربابِ فکر و نظر نے حوصلہ افزائی فرمائی ہے اور مروتاً ہی سہی مگر یہ ضرور فرمایا ہے کہ اس دور میں اس طرح کے ترجمہ و تفسیر کی یقیناً ضرورت تھی اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ چند ماہ کے اندر دو ہزار نسخے ہاتھوں ہاتھ نکل گئے (اگرچہ اس کی طباعت و کاغذ وغیرہ میں بے شمار نقائص تھے اور اسے مادی اعتبار سے ہرگز دیدہ زیب نہیں کہا جاسکتا تھا جس کا حساب روزِ قیامت پریس والوں کو مالکِ کائنات کی بارگاہ میں دینا ہوگا)۔

زیرِ نظر کتاب کے بارے میں بھی میری توقع یہی ہے کہ انشاء اللہ اس کی اشاعت کے

بعد اس کے قدرداں پیدا ہو جائیں گے اور انھیں اس کی اہمیت اور ضرورت کا اندازہ ہو جائے گا۔

حقیر نے اس کتاب کی تالیف میں وہی ذوق استعمال کیا ہے جو ذوق تفسیر قرآن میں کام کر رہا تھا اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر قرآن مجید رب العالمین کی طرف سے بندوں کے لیے ایک کتاب تربیت ہے تو اس میں قدم قدم پر تربیت کے نقوش تلاش کرنا چاہئیں اور اس کی ہر آیت کو تربیت فکر و نظر کا ذریعہ بنانا چاہیے اور اسی طرح اگر پیغمبر اسلامؐ نے عترت طاہرہ کو قرآن مجید کی علمی تفسیر اور عملی تعبیر کے لیے چھوڑا ہے تو ان کے کردار میں بھی تربیت بشر کے پہلوؤں کو نمایاں ہونا چاہیے۔ میری نظر میں ائمہ طاہرینؑ کا مقصد اپنے فضائل و کمالات کا اظہار ہرگز نہیں تھا وہ فضائل کا اظہار بھی دین خدا اور تربیت بشر ہی کے لیے کیا کرتے تھے اور انھوں نے مصائب کے سنگین ترین لمحات میں بھی اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔ ان کے واقعات حیات کو صرف بطور فضل و کمال پیش کرنا اور ان کے افادی اور عملی پہلوؤں کو نظر انداز کر دینا سیرت نگاری نہیں ہے بلکہ سیرت سے خیانت ہے۔ مثال کے طور پر ایک نامور خطیب نے مولائے کائناتؑ کی زندگی کے اس واقعہ کو بیان کیا کہ آپ کے سامنے ایک چور لایا گیا جس کا جرم ثابت تھا۔ اصحاب نے سفارش کی اور اس کے محب علیؑ ہونے کا حوالہ دیا لیکن آپؑ نے ہاتھ کاٹ دیے اور جب وہ بازار میں جاکر علیؑ کی مدح میں قصیدہ پڑھنے لگا تو آپ نے اسے واپس بلا کر اس کی انگلیوں کو ہاتھ سے ملا کر زیر لب دعا کی اور اس کا ہاتھ دوبارہ درست ہو گیا، اور اس واقعہ سے یہ استنتاج کیا کہ محبت علیؑ ایک ایسی شے ہے جو چوروں کے بھی کام آتی ہے اور ان کے کٹے ہوئے ہاتھوں کو بھی جوڑ دیتی ہے۔ تو میں نے بعد مجلس گذارش کی کہ سرکار واقعات گذر چکے ہیں، انھیں بدلا نہیں جاسکتا ہے لیکن کم از کم استنتاج میں تو دیانت داری برتی جاسکتی ہے۔ آپ کا استفادہ بالکل صحیح ہے لیکن اس کا ماحصل قوم میں بدعملی اور بدکرداری پیدا کرنے کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔ کاش آپ نے دو باتوں کو اور بھی بیان کر دیا ہوتا کہ حکم شریعت اس قدر عظیم ہے کہ مولائے کائنات نے اس کے محب ہونے کے باوجود اس کے ہاتھ کاٹ دیے اور شریعت کے نفاذ میں کسی طرح کی رو رعایت سے کام نہیں لیا، اور محبت کو شریعت کی پامالی کا ذریعہ نہیں بننے دیا۔ اس کے بعد جب محبت کی تاثیر کا وقت آیا تو پھر اس حقیقت کا اعلان فرمایا کہ دوبارہ ہاتھوں کا علاج اُس سچی محبت کی بنا پر کیا جا رہا ہے جہاں ہاتھ

کٹنے کے بعد بھی تعریف کی جاتی ہے اور بددلی کا اظہار نہیں کیا جاتا ہے۔ اس کا ان مومنین کرام اور محبانِ علیؑ سے کوئی تعلق نہیں ہے جو ادنیٰ سی تکلیف پر مولاؑ ہی پر تنقید کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ان کا خیال ہوتا ہے کہ مولاؑ کو بھی احکام شریعت کے نفاذ میں ان سے مشورہ کرنا چاہیے تھا جس طرح کہ مراجع تقلید کو ہر فتویٰ سے پہلے ان سے استمزاج کر لینا چاہیے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے اس کتاب کی وجہ تالیف کا اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اس کا مقصد واقعات حیات کا جمع کرنا یا ان کے بیان سے مومنین کرام کو خوش کرنا نہیں ہے۔ اس کا مقصد واقعات کی اصلی بنیادوں کو تلاش کرنا اور ان سے ناظرین کرام کو روشناس کرانا ہے تاکہ ان کی روشنی میں اپنے کردار کی اصلاح کر سکیں اور اپنی دنیا و آخرت کو سنوار سکیں۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ جس قوم کے پاس چودہ ایسے کردار ہوں جن میں گناہ اور جرم کا کیا ذکر ہے۔ سہو و نسیان اور ترک اولیٰ کا بھی گذر نہ ہو اور جن کا تذکرہ صبح و شام کیا جاتا ہو، اس قوم میں بے عمل یا بدعمل افراد پیدا ہو جائیں، یا ایسے خطیب اور مقرر پیدا ہو جائیں جو بے عملی اور بدعملی ہی کو مذہب کا امتیاز یا کردار کا شاہکار قرار دیتے ہوں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حقیر نے اس کتاب میں پہلی کوشش یہ کی ہے کہ ہر معصومؑ کی زندگی کا نقشہ اُس ترتیب کے ساتھ پیش کیا جائے جس ترتیب کے ساتھ زندگی آگے بڑھی ہے اور اس کے بعد اس کے بارے میں دیگر مذاہب کے افراد کے اعترافات اور خود اس معصوم کے فضائل و کمالات یا گرانقدر بیانات و تعلیمات کا ذکر کیا جائے اور آخر میں ان افراد کا تذکرہ کیا جائے جنھوں نے ان کی تعلیم و تربیت سے فائدہ اٹھایا ہے اور جو درحقیقت ہم جیسے انسانوں کے لیے کردار کا آئیڈیل اور نمونہ ہیں۔

ان تمام باتوں کے علاوہ ہر معصوم کی زندگی سے متعلق کوئی خاص موضوع رہا ہے تو اس پر الگ سے بحث کی گئی ہے اور درمیان میں اس کے تفصیلی تذکرہ سے واقعات کے مسلسل بیان کو مجروح نہیں بنایا گیا ہے۔

میں اپنی اس کوشش میں کس قدر کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ تو اہل نظر ہی کریں گے

البتہ یہ ضرور کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ یہ سیرت نگاری کا ایک نیا رخ ہے جس پر بہت کچھ کام کیا جا سکتا ہے۔ خدا کرے کوئی ایسا باہمت پیدا ہو جائے جسے حالاتِ زمانہ بھی کام کرنے کی اجازت دیں اور وہ اس رُخ پر سیر حاصل بحث کر کے قوم کو کردار سازی کے سلیقہ سے آگاہ کرے اور معصومینؑ کی قوم کو اتنا بلند کردار بنا دے جہاں "کونوا لنا زینًا ولا تکونوا علینا شینًا" کی جلوہ گری ہو اور کردار سے خود محبّت کا اعلان ہو جائے اور محبوب کی عظمت کی نشانی بن جائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

والسّلام علی من اتبع الھُدیٰ۔

السیّد ذیشان حیدر جوادی

ابوظبی

۲۳ ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ، روزِ چہارشنبہ

نقشِ

حیات حضرت مرسلِ اعظمؐ

ولادت: ۱۷ ربیع الاول سنہ عام الفیل

وفات: ۲۸ صفر سنہ ۱۱ھ

نقشِ زندگانی مرسل اعظمؐ

ماضی

عربستان کا علاقہ جو تقریباً ۱۳۰۰ سے ۱۶۰۰ میل لمبا اور ۶۰۰ میل چوڑا علاقہ ہے اور جس کا کل رقبہ ۱۲ لاکھ ۳۰ ہزار مربع میل ہوتا ہے یعنی متحدہ جرمنی اور فرانس سے چار گنا زیادہ اور متحدہ ہندوستان سے ایک تہائی کم۔

یہ علاقہ روزِ اول سے ادیان و مذاہب کا گہوارہ کہا گیا ہے اور دنیا کے بیشمار مذاہب نے اسی علاقہ میں جنم لیا ہے اور اکثر کا مدفن بھی اسی خطہ میں بنا ہے۔

اس علاقہ کی نمایاں تاریخ کا دور جناب ابراہیمؑ کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے جن کی مختصر تاریخ حیات یہ ہے کہ پروردگارِ عالم نے اپنی قدرت کاملہ سے انھیں مختلف فضائل وکمالات سے آراستہ کرکے توحید کا علمبردار بنا کر اس علاقہ میں خلق فرمایا اور نمرود جیسے باغی اور طاغی کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا۔ جناب ابراہیمؑ نے قولاً اور عملاً توحید کی تبلیغ شروع کی اور ایک دن موقع پاکر تمام بتوں کا صفایا کر دیا جس کے نتیجہ میں انھیں آگ میں ڈال دیا گیا۔ رب کریم نے انھیں آگ میں جلنے سے بچالیا اور بَرداً وسلاماً کے چھینٹے دے کر آگ کو گلزار بنا دیا۔ اس واقعہ سے متاثر ہوکر جناب سارہ بنت حاران نے آپ سے عقد کرلیا اور نبوت کی تاریخ میں کمالات کو دیکھ کر پیغام عقد دینے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

جناب ابراہیمؑ ابتدائی طور پر بابل میں رہے، پھر وہاں سے کنعان چلے گئے، کنعان میں قحط پڑا تو مصر منتقل ہوگئے۔ وہاں اُس دور کے فرعون کے دربار میں پہونچے تو اس نے جناب سارہ کے حسن وجمال کا احساس کرکے بار بار ان کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا، لیکن ہر مرتبہ ہاتھ خشک ہوگیا۔ اس نے جناب ابراہیمؑ سے وعدہ کیا کہ اگر ان کی دعا سے ہاتھ ٹھیک ہوجائے گا تو آئندہ ایسی جسارت نہیں کرے گا خلیلؑ نے

بارگاہِ الٰہی میں التماس کی، دعا قبول ہوئی۔ ہاتھ درست ہوا تو اس نے عظمت وکردار سے متاثر ہوکر اپنی بیٹی ہاجرہ کو آپ کی خدمت کے لیے دے دیا۔ اس کے بعد آپ کا قیام مقام جردن میں رہا اور وہیں انتقال فرمایا جو آج خلیل الرحمٰن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جناب سارہ کے ساتھ ایک مدت تک ازدواجی زندگی گزارنے کے بعد جب جناب ابراہیمؑ نے دیکھا کہ ان سے اولاد کا ظاہری امکان نہیں ہے تو جناب ہاجرہ سے عقد کرلیا جس کے بعد جناب اسماعیلؑ کی ولادت ہوئی اور جب جناب سارہ ۹۰ سال کی ہوئیں تو مالک کائنات نے اپنی قدرت کاملہ سے انھیں بھی صاحبِ اولاد بنا دیا اور جناب اسحاق کی ولادت ہوئی۔

ہاجرہ کے یہاں ولادت کے بعد فطری طور پر سارہ کو کشمکش کا شکار ہونا چاہیے تھا اس لیے جناب ابراہیمؑ نے اشارہ قدرت سے اس صورت حال کا یہ حل نکالا کہ جناب اسماعیل اور جناب ہاجرہ کو مکہ میں بنیاد خانہ کعبہ کے قریب ڈال دیا۔ جہاں بے آب وگیاہ ہونے کی بنا پر سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا اور ایک گھونٹ پانی کی تلاش میں جناب ہاجرہ کو سعی کرنا پڑی جس کے نتیجہ میں قدرت نے چشمۂ زمزم جاری کر دیا، اور اس طرح کرمِ پروردگار کا بھی مظاہرہ ہوگیا اور نبی خدا کے تحفظ کی راہ میں سعی کی عظمت کا بھی اظہار ہوگیا۔

اُدھر قبیلہ جرہم کے افراد کا اس علاقہ سے گذر ہوا اور انھوں نے چشمۂ زمزم کی روانی کو دیکھا تو وہاں پڑاؤ ڈال دیا اور اس طرح ارضِ حرم کی آبادی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

کچھ عرصہ کے بعد جناب ابراہیمؑ اپنے گھر والوں سے ملنے کے لیے آئے تو جناب اسماعیلؑ موجود نہ تھے، ان کی زوجہ نے اخلاق ومدارات کا مظاہرہ نہ کیا تو جناب ابراہیمؑ نے طلاق کا اشارہ دے دیا اور اس طرح دوسری شادی قبیلہ جرہم میں ہوئی جس سے اسماعیلؑ کو سکون زندگی نصیب ہوا۔ لیکن اس کے بعد ہی قدرت نے اسماعیل کی قربانی کا حکم دے دیا اور جناب ابراہیمؑ نے پورے حوصلہ کے ساتھ بیٹے کو راہِ خدا میں قربانی کے لیے پیش کر دیا۔ اسماعیلؑ نے بھی اپنے کو مرضیٔ مولا کے حوالہ کر دیا اور اس طرح ابراہیمؑ خلیل اللہ قرار پائے اور اسماعیلؑ ذبیح اللہ۔

ایثار اور فداکاری کا یہ سلسلہ نسل ابراہیمؑ واسماعیلؑ میں جاری رہا۔ یہاں تک کہ جناب عبد مناف پیدا ہوئے جن کا نام عمر العلار تھا۔ ان کے فرزند جناب ہاشم تھے، اور جناب ہاشم کے ایک فرزند عبدالمطلب تھے اور ایک اسد۔ اسد کے گھر میں جناب فاطمہ بنت اسد کی ولادت ہوئی۔ اور عبدالمطلب کے یہاں

متعدد اولاد پیدا ہوئی جن میں سے ایک جناب عبداللہ تھے اور ایک جناب ابوطالب۔

عبدالمطلب کی نذر تھی کہ اگر خدا دس فرزند دیے گا تو ایک کو راہِ خدا میں قربان کر دیں گے چنانچہ جب قربانی کا وقت آیا تو قرعہ جناب عبداللہ کے نام نکلا۔ عبداللہ کے حسن و جمال و کمال کی بنا پر دوبارہ قرعہ ڈالا گیا اور پھر انھیں کا نام نکلا۔ یہاں تک کہ فدیہ طے کیا گیا اور سو اونٹ کی قربانی دے کر جناب عبداللہ کو قربانی سے بچایا گیا اور اس طرح عبداللہ بھی ذبیح قرار پائے اور رسول اکرمؐ ابن الذبیحین کے مصداق قرار پائے۔

عبدالمطلب کا نام عامر تھا اور کنیت ابوالحارث۔ لقب شیبۃ الحمد تھا اس لیے کہ سر کے بال سفید تھے اور انتہائی خوب صورت۔ باپ کے انتقال کے بعد ننیہال میں رہے۔ آخر کار مطلب جا کر وہاں سے لے آئے تو لوگوں نے بھتیجا کہنے کے بجائے ان کا غلام کہنا شروع کر دیا اور اس طرح عامر کے بجائے عبدالمطلب قرار پا گئے۔

رسول اکرمؐ کے ارشاد کے مطابق جناب عبدالمطلب پانچ خصوصیات کے حامل تھے:

۱۔ انھوں نے سب سے پہلے باپ کی زوجہ سے عقد کو ممنوع قرار دیا۔

۲۔ خزانہ پر خمس عائد کیا۔

۳۔ حاجیوں کی سقایت اور سیرابی کا انتظام شروع کیا۔

۴۔ ایک انسان کے بدلے سو اونٹ کی دیت مقرر کی۔

۵۔ طواف کعبہ کے سات چکر معین کیے ــــــ اور قدرت نے ان کے اخلاص کی بنا پر ان تمام اقدامات کو جزء مذہب بنا دیا اور انھیں فرزند کی قربانی کے ارادہ کی بنا پر ابراہیم ثانی کے لقب سے نواز دیا۔

سخاوت کی بنیاد پر عبدالمطلب مُطعم الطیر کے لقب سے مشہور تھے اور ان کا سب سے بڑا کارنامہ اس حوصلہ اور ہمت کا اظہار ہے جو ابرہۃ الاشرم کے مقابلہ میں پیش کیا، جب وہ ہاتھیوں کا لشکر لے کر خانۂ خدا کو منہدم کرنے کے لیے آیا اور سارے مکہ والے آبادی چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جناب عبدالمطلب ابرہہ کے پاس گئے اور اس نے احترام کرنے کے بعد سبب پوچھا تو فرمایا کہ تیرے لشکر والوں نے میرے اونٹ پکڑ لیے ہیں۔ میں انھیں واپس لینے آیا ہوں۔ اس نے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تمھیں اونٹوں کی فکر ہے اور اس گھر کی فکر نہیں ہے جسے ڈھانے کے لیے میرا لشکر آیا ہے۔

جناب عبدالمطلب نے فرمایا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے جو عنقریب اسے بچا لے گا۔ ابرہہ اس اشارہ کو نہ سمجھ سکا جو ہر مغرور و متکبر انسان کا عالم ہوتا ہے لیکن رب العالمین نے عبدالمطلب کے بیان کی لاج رکھ لی اور ابابیل کا لشکر بھیج کر ابرہہ کے لشکر کا خاتمہ کرا دیا اور اس طرح چھوٹی طاقت سے سپر پاور کے ہارنے کا قدرتی نظام سامنے آ گیا اور ابرہہ کو باعزت طریقے سے مرنا بھی نصیب نہ ہوا۔

ابرہہ کی فوج میں ساٹھ ہزار افراد تھے جن میں نو یا تیرہ بڑے بڑے ہاتھی تھے اور سب سے بڑے ہاتھی کا نام "محمود" تھا جس سے خانۂ کعبہ کے انہدام کا کام لینا تھا جو قدرت کی تدبیر خاص سے ناکامی میں تبدیل ہو گیا۔

یہ عبدالمطلب کا کمال ایمان تھا کہ انھوں نے گھر کی حفاظت میں بتوں کا حوالہ نہیں دیا۔ بلکہ ایک غیبی طاقت کا حوالہ دے کر یہ واضح کر دیا کہ مالک اصلی یہ بت نہیں ہیں خدا ہے ـــ اور اطمینان قلب کا راز ظاہر پر ایمان نہیں ہے بلکہ ایمان بالغیب ہے۔

حال

جس سال ابرہہ کی تباہی اور خانۂ خدا کی حفاظت خاص کا واقعہ پیش آیا، اس سال کو عام الفیل کہا جاتا ہے اور اسی سال رسول اکرمؐ کی ولادت ہوئی ــــ عام شیعہ روایات کی بنا پر، ۱۷ ربیع الاول کو اور عام سنی روایات کی بنا پر ۱۲ ربیع الاول کو۔ مصر کے مشہور عالم فلکیات کی تحقیق کی بنیاد پر بقول مولانا شبلی ۹ ربیع الاول کو۔ انگریزی سال کے اعتبار سے مشہور مسلک ۲۹ اگست ۵۷۰ء ہے اور مولانا شبلی کا مسلک ۲۰ اپریل ۵۷۱ء ہے۔

مقام ولادت شعب ابی طالب تھا۔ جس مکان کو رسول اکرمؐ نے عقیل کو ہبہ کر دیا تھا اور انھوں نے محمد بن یوسف ثقفی کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا جس کے بعد ہارون رشید نے اسے خرید کر مولد النبی قرار دے دیا۔ بقولے

زمانۂ حمل میں جناب آمنہ کو خواب میں بشارت ہوئی کہ بچہ کا نام 'احمد' رکھا جائے (ابن سعد)۔ اور بروایتے اہل خاندان کے مشورہ سے عبدالمطلب نے 'محمد' طے کیا۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ کام بھی بذریعہ الہام

انجام پایا ہے اس لیے کہ جب آلِ رسولؐ کے اسمائے گرامی قدرت کی طرف سے نازل ہوئے ہیں تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ خود رسول اکرمؐ کا اسم گرامی اہلِ خاندان کے مشورہ کا ممنون کرم ہو جائے۔

آپ شکم مادر میں تھے کہ آپ کے والد بزرگوار جناب عبد اللہ کا انتقال ہو گیا اور بروایت سیرۃ النبیؐ شبلی بحوالہ طبقات ابن سعد۔ آپ کو اپنے والد محترم کی طرف سے میراث میں ایک ام ایمن کنیز، پانچ اونٹ اور چند دنبیاں ملیں۔ اور اس طرح انبیاء کے یہاں میراث نہ ہونے کا مفروضہ روز اول ہی باطل ہو گیا۔

رضاعت

مورخین کے قول کی بنا پر تین دن یا سات دن یا نو دن جناب آمنہ کا دودھ پیا۔ اس کے بعد مستقل رضاعت کے لیے حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیے گئے جہاں دو برس کی عمر تک رہے اور صحرا کی کھلی آب و ہوا میں پرورش پاتے رہے اور اپنے تبلیغی ماحول کا جائزہ لیتے رہے۔ وہاں سے واپس آئے تو دو برس کے بعد مادر گرامی کا انتقال ہو گیا، اور اب مستقل طور پر اپنے دادا جناب عبد المطلب کے ساتھ رہنے لگے۔ ۸ برس کی عمر تھی کہ ان کا بھی انتقال ہو گیا اور انھوں نے اپنی خداداد فراست کی بنیاد پر کفالت و حفاظت کا سارا کام جناب ابو طالب کے سپرد کر دیا جو آخر دم تک اس فریضہ کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہے، اور اس طرح کفالت و حفاظت کی کہ ان کے انتقال کے بعد رسول اکرمؐ نے انھیں احسانات کو یاد کر کے ان کا مرثیہ پڑھا۔

شغل زندگانی

دس برس کی عمر سے اپنی اصلاحی صلاحیت کے اظہار کے لیے گلہ بانی کا کام شروع کیا اور اس طرح قوم پر واضح کرتے رہے کہ میں جانوروں کی بھی اصلاح کر سکتا ہوں اور مجھ میں یہ صلاحیت دوسرے افراد سے کہیں زیادہ پائی جاتی ہے۔ آپ کے جانوروں کی چراگاہ مقام اجیاد کے پاس قراریط میں تھی جسے امام بخاری نے اپنی کتاب میں قیراط کی جمع اور سکہ بنا کر حضورؐ کو مزدوری پر جانور چرانے والا بنا دیا جب کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ دوسرے افراد کا کاروبار تھا جسے رسول اکرمؐ کے حوالے کر دیا گیا ہے۔

۱۲ برس کی عمر میں پہلا تجارتی سفر شام کی طرف اپنے چچا جناب ابو طالب کے ساتھ کیا۔ جہاں چند لمحوں کے لیے بحیرا راہب کا سامنا ہو گیا جس نے سر پر ابر کو سایہ فگن دیکھ کر ابو طالب کو نصیحت کی کہ اس بچہ کو وطن واپس کر دیں یا اس کی خصوصی نگرانی کریں کہ یہ مستقبل میں ایک بڑی شان والا ہے اور یہودیوں کو اس بات کی اطلاع ہو گئی تو وہ زندہ نہ چھوڑیں گے۔ اس ادنیٰ ملاقات کا اثر یہ ہوا کہ عیسائیوں نے بحیرا کو آپ کا معلم بنا دیا اور قرآن کے تمام قدیم روایات و معلومات کو اس کی تعلیم کا ممنون کرم بنا دیا اور یہ ان نو مسلم افراد کی سازش سے ہوا جو خاص مقاصد کے تحت حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔

اس کے بعد آپ نے اپنے اعمام کے ساتھ حرب فجار میں حصہ لیا۔ جس کی بنیاد یہ تھی کہ ماضی کے خون ناحق کا بدلہ لیا جائے اور اسی انتقام کے جواز کی بنیاد پر آپ نے اس میں شرکت کی منظوری دے دی تھی ورنہ اسلام کا مقصد یہی تھا کہ گزشتہ تمام معاملات کو کسی نہ کسی طرح ختم کر دیا جائے۔

حرب الفجار ہی کی طرح حلف الفضول کا معاہدہ تھا جس میں متعدد فضل نامی افراد نے مظلوم کی اعانت کا معاہدہ کیا تھا اور آپ نے اسی جذبہ کے تحت اس میں بھی شرکت فرمائی تھی اور آخر تک اپنے اس عہد پر قائم رہے۔

اس کے بعد کعبہ کی تعمیر کا کام شروع ہوا تو مختلف قبائل نے ایک ایک طرف کی دیوار کی تعمیر کا کام لے لیا۔ جب حجر اسود کے نصب کرنے کی باری آئی تو ایک قیامت خیز ہنگامہ کھڑا ہو گیا اور آخر میں یہ طے پایا کہ جو شخص سب سے پہلے باب بنی شیبہ سے داخل ہو اسے حکم بنا دیا جائے۔ تھوڑی دیر میں رسول اکرمؐ داخل ہوئے اور آپؐ نے ایک چادر یا اپنی عبا میں پتھر کو رکھ کر سارے قبائل کو اٹھانے کا حکم دیا اور جب سب نے بلند کر دیا تو آپ نے چادر سے اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب کر دیا اور اس طرح واضح ہو گیا کہ کسی کو اس کی صحیح جگہ پر بٹھانے کا کام رسول اکرمؐ کے علاوہ کوئی انجام نہیں دے سکتا چاہے وہ افراد ہوں یا قبائل۔

۲۵ سال کی عمر میں دوسرا سفر تجارت کیا جس میں خدیجہ کے مال کو مضاربہ اور کمیشن کے طور پر بیچنے کے لیے لے گئے اور جناب خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ کو ساتھ کر دیا، جس نے واپس آکر اس قدر فضائل و کمالات کا تذکرہ کیا، اور خود خدیجہ نے بھی اس قدر برکت اور منفعت کا مشاہدہ

کیا کہ اب اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں رہ گیا تھا کہ خدیجہ عقد کا پیغام دے دیں۔ چنانچہ ایک محترم خاتون نفیسہ کو بھیج کر پیغام دیا اور حضور نے اس پیغام کو منظور کر لیا اور عقد کی تاریخ طے ہوگئی۔

حضور اکرمؐ کی طرف سے جناب ابوطالب نے اور خدیجہ کی طرف سے ورقہ بن نوفل نے عقد پڑھا جس وقت تک شیخ طوسیؒ، سید مرتضیٰؒ وغیرہ کے ارشاد کے مطابق جناب خدیجہ باکرہ تھیں اور آپ نے تمام اشراف قریش کے پیغامات کو رد کر دیا تھا۔

عقد کے موقع پر جناب ابوطالب نے ایک تاریخی خطبہ پڑھا — جو مطالب کے اعتبار سے بھی بے نظیر ہے اور اخلاص عمل کے اعتبار سے بھی اسلام میں عقد کا ایک حصہ قرار پا گیا ہے۔

اس واقعہ کے تقریباً پانچ سال بعد اور ہبوط آدمؑ سے ۶۱۹۳ برس بعد ۶۰۰ء اور ۳۰ عام الفیل میں جناب ابوطالب کے یہاں حضرت علیؑ کی ولادت ہوئی۔ جن کی ولادت کے لیے رب کریم نے خاص اپنے گھر کا انتخاب کیا اور اس طرح ابوطالب کو ان کے خدمات کا پہلا انعام عطا کیا گیا کہ رسول اکرمؐ کی ولادت ان کے گھر میں ہوئی اور ان کے فرزند کی ولادت رب العالمین کے گھر میں ہوئی۔

اس کے دس سال کے بعد جب آپ کی عمر تقریباً چالیس سال کی تھی تو آپ پر سورۂ اِقْرَأْ کی شکل میں پہلی وحی نازل ہوئی۔ جس نے قرأت، تعلیم، قلم وغیرہ کا ذکر کر کے اسلام کے مزاج قانون کی نشان دہی کی اور اس طرح اعلان دین خدا کی راہ ہموار ہونے لگی۔ ۶۱۰ء میں اس وحی اول کے نزول کو بعثت رسولؐ سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا واقعہ ۲۷ رجب کو پیش آیا۔

بعثت کے بعد تین سال تک خفیہ تبلیغات کا سلسلہ جاری رہا اور آپ مختلف افراد کو اس وحی اول کے مضمون اور مفاد سے باخبر کرتے رہے۔

تین سال کے بعد اعلان کا حکم ہوا تو آپ نے کوہ صفا کے پاس تمام قریش کو جمع کر کے فرمایا کہ اگر میں یہ خبر دوں کہ پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر حملہ کرنے والا ہے تو تم بغیر دیکھے اعتبار کر دگے یا نہیں؟ سب نے اقرار کیا کہ ہم نے آپ سے سچ کے علاوہ کچھ نہیں سُنا ہے تو فرمایا کہ میں تمھیں عذاب الٰہی سے ڈرا رہا ہوں جو اس بُت پرستی کے نتیجہ میں پیش آنے والا ہے۔ سماج میں ہنگامہ کھڑا ہو گیا لیکن آپ نے اسلام کی پیشکش کا سلسلہ ایمان بالغیب سے شروع کیا جس کے بغیر مذہب کی کوئی افادیت نہیں ہے۔

اُدھر اہل خاندان کو باقاعدہ دعوت دینے کا حکم آگیا تو آپ نے حضرت علیؑ کے ذریعہ تمام خاندان کو مدعو بھی کیا اور سب کے کھانے کا انتظام بھی کیا۔ جس کے بعد پہلے دن لوگوں نے بات سننے سے انکار کر دیا تو دوسرے دن پھر دعوت کی اور بشکل تمام اپنا پیغام پیش کر دیا اور قوم سے نصرت و امداد کی درخواست کی جس کے معاوضہ میں وصایت، وزارت اور خلافت کا وعدہ بھی کیا جو اپنے مشن کی کامیابی کے یقین کا کھُلا ہوا اعلان تھا — لیکن حضرت علیؑ کے علاوہ کسی نے اس مطالبہ پر توجہ نہ دی تو بالآخر اتمام حجت کے بعد ان کی وصایت و وزارت و خلافت کا اعلان کر دیا اور اسلام کی پہلی دعوت تینوں عقائد کی حامل قرار پا گئی۔ توحید خدا کا بھی اعلان ہو گیا۔ رسالت سرکار دو عالمؐ کا بھی اعلان ہو گیا اور وصایت و وزارت علیؑ کا بھی اعلان ہو گیا۔

اس اعلان عام کے بعد قریش کی طرف سے مخالفتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے حارث بن ابی ہالہ کو شہید کیا گیا جو اعلان رسالت کے چوتھے سال اسلام کے پہلے شہید ہیں۔

حارث کی شہادت کے بعد شہادتوں اور اذیتوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جس میں مرد عورت آزاد غلام سب شریک رہے اور کسی ایک کو معاف نہیں کیا گیا۔

مَردوں میں جناب یاسر کو بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا۔ خباب بن الارت کو انگاروں پر لٹایا گیا۔ بلال کو گرم ریت پر لٹایا گیا۔ یہ اگرچہ قتل نہیں کیے گئے مگر یہ اذیت کسی قتل سے کم نہیں تھی۔ افلح ابو فکیہ کو رسیوں میں باندھ کر کھینچا گیا۔ صہیب رومی کو سارا سامان چھین کر مکہ سے باہر نکال دیا گیا۔

عورتوں میں جناب یاسر کی اہلیہ سمیہ، حضرت عمر کی بہن فاطمہ، زنیرہ، نہدیہ، ام عبیس جیسی خواتین کو بے حد اذیت دی گئی اور بعض کو قتل ہی کر دیا گیا۔

ادھر دو برس کی عمر میں قاسم بن پیغمبرؐ کا انتقال ہو گیا تو دشمنوں نے ایک روحانی اذیت کا سامان فراہم کر دیا اور حضور اکرمؐ کو ابتر کہہ کر پکارنے لگے۔ گویا ان کی نسل کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اور جس کی نسل باقی نہ رہ سکے اس کا دین اور مذہب کیا باقی رہے گا۔ قدرت نے اس طعنۂ ابتر کے جواب میں ۲۰ جمادی الثانی ۵ بعثت کو سرچشمہ کوثر جناب فاطمہؑ کی مقدس ہستی کا تحفہ رسول اکرمؐ کو عنایت فرمایا اور دشمن کے ابتر ہونے کا اعلان کر دیا۔ وجود فاطمہؑ کا پہلا سکون تھا جو رسول اکرمؐ کو سخت ترین حالات میں نصیب ہوا۔

حالات اس قدر ابتر تھے کہ ایک ماہ کے بعد جب ۵ بعثت میں رسول اکرمؐ کو مسلمانوں کو حکم ہجرت دینا پڑا اور پہلا قافلہ حبشہ کی طرف ۱۰۰ افراد پر مشتمل روانہ ہو گیا جس میں جعفر طیار شامل

نہ تھے۔ چند دنوں کے بعد دوسرا قافلہ حضرت جعفر بن ابو طالب کی قیادت میں روانہ ہوا جس میں ۸۶ مرد اور ۱۸ عورتیں تھیں یعنی کُل ۱۰۴ افراد۔

مسلمانوں کی اس تعداد کے شہر سے باہر نکل جانے پر باقی افراد مزید ظلم وستم کا نشانہ بننے لگے چنانچہ ابو جہل نے خصوصیت کے ساتھ حضورؐ کو ستانا شروع کر دیا جس کی خبر سن کر جناب حمزہ کو جوش آگیا اور انھوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا جس کے بعد رسول اکرمؐ کو واقعی ایک قسم کا سکون نصیب ہوگیا اور اسلام ایک بڑے سپاہی اور مجاہد کا مالک ہوگیا۔

اُدھر قرآن کریم کی بلاغت اور اہل ایمان کے استقلال نے ایک نئی کرامت کا مظاہرہ کیا کہ حضرت عمر بن الخطاب کی بہن نے اسلام کا اعلان کر دیا اور انھیں اطلاع ملی تو بہن کے گھر پہونچ گئے اور اپنے امکان بھر مار پیٹ کر دوبارہ کفر کی طرف واپس لانے کی کوشش کی، لیکن بہن نے انکار کر دیا اور اس کے بعد جب آیات قرآنیہ کی تلاوت سُنی تو خود بھی اسلام قبول کر لیا اور بظاہر اسلام ایک بڑے خطرہ سے محفوظ ہوگیا۔

اذیتوں کے باوجود اسلام کی بڑھتی ہوئی شوکت اور مقبولیت کو دیکھ کر کفار نے مصالحت آمیز رویہ اختیار کرنا شروع کیا اور پہلے جناب ابو طالبؑ کے ذریعہ ترک تبلیغ کا پیغام دیا جسے ابو طالبؑ نے ان لفظوں میں پہونچایا کہ فرزند تمھارے بنی عم کا خیال ہے کہ تم انھیں اذیت دے رہے ہو، اور وہ تم سے ترک تبلیغ کا مطالبہ کر رہے ہیں، تو آپ نے ان تاریخی لفظوں میں جواب دے دیا کہ اگر میرے ایک ہاتھ پر چاند اور ایک ہاتھ پر سورج رکھ دیا جائے کہ میں تبلیغ اسلام کو ترک کر دوں تو یہ ممکن نہیں ہے اور اس طرح اپنی عظیم ہمّت اور کفر کی بے بسی کا اعلان کر دیا۔

اس جواب کے بعد کفار نے براہ راست جناب ابو طالب سے سودا کرنا چاہا کہ ہم محمدؐ کے بدلے اپنے ایک فرزند عمارہ کو تمھارے حوالے کیے دیتے ہیں اور تم محمدؐ کو ہمارے حوالے کر دو تاکہ ہم ان کا خاتمہ کر کے اس نئے دین سے نجات حاصل کر لیں۔ جناب ابو طالبؑ نے فرمایا کہ کیسقدر احمقانہ فیصلہ ہے کہ میں تمھارے فرزند کی پرورش کروں اور تم ہمارے فرزند کو قتل کر دو، اور اس طرح کفار کی سودے بازی کا سلسلہ موقوف کر دیا اور اپنے کمال ایمان و دیانت اور ارتقائے عقل و فراست کا اعلان کر دیا۔

کفار نے اس صورت حال کا اندازہ کر کے بائیکاٹ کا منصوبہ بنایا کہ بنی ہاشم پر اس قدر

اقتصادی اور سماجی دباؤ ڈالا جائے کہ محمدؐ کو ہمارے حوالے کرنے پر مجبور ہو جائیں جو ہر دور کے ظالم کا آخری حربہ ہوتا ہے۔ منصور بن عکرمہ نے معاہدہ لکھا اور چالیس افراد نے اس پر دستخط کیے اور اس طرح بنی ہاشم کی زندگی کو خطرہ میں ڈالنے کا آخری منصوبہ تشکیل پا گیا۔

اُدھر جناب ابو طالبؑ نے یکم محرم سنہ ۷ بعثت (۶۱۷ء) کو سارے گھرانے کو لے کر شعب میں قیام اختیار فرمایا اور اس طرح آغاز محرم سے مسلمانوں کی مصیبت کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوگیا جس کا خاتمہ اس فتح مبین پر ہوا کہ مظلومیت نے ظلم پر فتح پائی اور تین سال کے بعد ہشام مخزومی کو بنی ہاشم کے حال پر رحم آگیا اور اس نے معاہدہ کے خلاف آواز اٹھانا شروع کر دی، اُدھر رسول اکرمؐ نے جناب ابو طالبؑ کے ذریعہ یہ خبر پہونچائی کہ عہد نامہ کو دیمک نے کھا لیا ہے اور سوائے نام خدا کے کچھ باقی نہیں رہ گیا ہے۔ کفار نے صداقت کا امتحان لینے کے لیے عہد نامہ کو کھولا تو بات بالکل صحیح نکلی اور اس طرح کفار اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہو گئے اور رسول اکرمؐ کو ظلم کے مقابلہ میں ایک نئی فتح حاصل ہوئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ سب ایک دن فنا ہو جانے والے ہیں، صرف نام خدا باقی رہنے والا ہے۔ منصور بن عکرمہ کے ہاتھ شل ہو گئے اور محرم سنہ ۱۰ بعثت میں مسلمانوں کو اس قید سے نجات مل گئی۔

واضح رہے کہ اسلام کے اس سخت ترین دور میں بنی ہاشم کے علاوہ کسی شخص کا بھی ذکر تاریخ اسلام میں نہیں ہے اور نہ کوئی سابق الاسلام اسلام کے اس درد وغم میں شریک رہا اور نہ اسلام کی خاطر کسی طرح کی قربانی دی۔

شعب ابی طالبؑ کے ان مصائب نے بنی ہاشم کو اس قدر متاثر کیا اور تین سال کے فاقوں اور درختوں کے پتوں پر گذارہ کرنے کا یہ اثر ہوا کہ تھوڑے عرصے کے بعد جناب ابو طالبؑ کا انتقال ہوگیا اور ماہ مبارک میں جناب خدیجہ بھی دنیا سے رخصت ہوگئیں اور اسلام اپنے دونوں پشت پناہوں سے محروم ہوگیا۔ اب نہ ابو طالب جیسا مرد آہن اور باوقار بزرگ رہ گیا نہ خدیجہ جیسی صاحب دولت اور با اخلاص خاتون ــ رسول اکرمؐ پر ان حادثات کا اس قدر اثر ہوا کہ آپ نے پورے سال کو عام الحزن کا نام دے دیا اور اسلام کے مصائب کا ایک نیا دور شروع ہوگیا۔

مستقبل اسلام

حضرت ابو طالبؑ کے انتقال کے بعد جب مکہ میں پناہ کا مکمل انتظام نہ رہ گیا تو قدرت نے آپ نے

حبیب خاص کو ہجرت کا حکم دے دیا اور اس طرح ۱۳ بعثت میں رسول اکرمؐ حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر لٹا کر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے اور حضرت علیؑ نے یہ معلوم کر کے کہ اس طرح رسول اکرمؐ کی جان محفوظ رہے گی۔ تاریخ اسلام کا پہلا سجدۂ شکر انجام دیا۔

یہ واقعہ ۲ ربیع الاول کو پیش آیا یعنی ستمبر ۶۲۲ء میں۔ جب رسول اکرمؐ کی عمر تقریباً ۵۳ سال تھی اور حضرت علیؑ کی عمر تقریباً ۲۳ سال۔

تھوڑے وقفہ تک غار ثور میں قیام رہا جہاں بروایت درمنثور ج ۲ ص ۲۴۰، طبری ج ۲ ص ۲۴۳ رسول اکرمؐ کی نصیحت کے مطابق کھانے پینے کا انتظام حضرت علیؑ ہی کرتے رہے جس طرح کہ رسول اکرمؐ کے پاس جمع شدہ امانتوں کی واپسی اور بنی ہاشم کی خواتین کے مدینہ پہونچانے کی ذمہ داری بھی حضرت علیؑ ہی کے سپرد تھی۔

غار ثور سے نکل کر خیمۂ ام معبد میں قیام فرمایا جہاں اس کی بکری کا دودھ نکالا اور دست مبارک کی اس قدر برکت سامنے آئی کہ ام معبد اور اس کا شوہر دونوں مسلمان ہو گئے۔ اُدھر آپ نے کُلّی کر کے پانی درخت کی جڑ میں ڈال دیا جس سے درخت شاداب ہو گیا اور پھر جب اچانک ایک دن اس کے پتے جھڑ گئے تو انکشاف ہوا کہ یہ سرکار دو عالمؐ کی وفات کا دن تھا۔ دوبارہ پھر یہی حادثہ پیش آیا تو معلوم ہوا کہ یہ روزِ شہادت حضرت علیؑ تھا۔ اس کے بعد روز عاشور اس کی جڑ سے خون اُبلنے لگا اور اس طرح رسولؐ و آلِ رسولؐ کے غم میں کل کائنات کی شرکت کا فطری ثبوت فراہم ہو گیا۔ (ربیع الابرار زمخشری)

اُدھر سراقہ بن جعشم آپ کے تعاقب میں چلا تو اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ دوبارہ پھر سو اونٹ کے انعام کی لالچ میں آگے بڑھا تو پھر یہی واقعہ پیش آیا اور آخر کار آپؐ نے سہارا دے کر نکال دیا تو مسلمان ہو گیا۔ ابو بریدہ اسلمی نے بھی تعاقب کیا تو آپ نے برداً و سلاماً کا حوالہ دیا اور وہ بھی مسلمان ہو گیا۔

مکہ و مدینہ کے درمیان ۲۰ منزلوں پر قیام کر کے قریب مدینہ پہونچے تو مقام قبا میں قیام فرمایا۔ یہ تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۳ بعثت کی تھی۔ چار روز یہاں قیام رہا۔

تین روز کے بعد حضرت علیؑ آگئے اور مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔ اس لیے کہ تبلیغ اسلام کا کوئی کام حضرت علیؑ کی شرکت کے بغیر شروع ہونے والا نہ تھا۔

۲۲ ربیع الاول کو مدینہ میں داخلہ کا پروگرام بنا۔ قبیلہ بنی سالم میں جمعہ کا دن آگیا تو اسلام کی پہلی نماز جمعہ ادا ہوئی جس میں سو افراد نے شرکت کی۔

مدینہ میں داخل ہونے پر انصار کی عورتوں اور بنی نجار کی لڑکیوں نے استقبالیہ ترانہ پڑھا۔ اس وقت حضور ناقہ قصویٰ پر سوار تھے اور آپ کا اعلان تھا کہ جہاں یہ اونٹ بیٹھ جائے گا وہی میری قیام گاہ ہوگی۔ یہ امر پروردگار کی طرف سے مقرر ہو چکا ہے۔ ناقہ حضرت ابوایوب کے دروازہ پر ٹھہرا تو آپ نے وہیں قیام فرمایا۔ ان کا مکان دو منزلہ تھا۔ آپ نے نیچے کے حصہ میں قیام فرمایا کہ اس طرح لوگوں کی ملاقات میں سہولت ہوگی اور کار تبلیغ بآسانی انجام پا سکے گا۔

مدینہ کا اصلی نام یثرب تھا۔ اس کی بنیاد سام بن نوح یا یوشع بن نون نے رکھی تھی۔ یہاں یہودیوں کا کاروبار تجارت تھا اور اوس و خزرج کے قبائل زراعت کا کام کرتے تھے۔ کل ۲۷ قبائل آباد تھے۔ جغرافیائی اعتبار سے ایک طرف کوہ عیر، دوسری طرف کوہ سلع، شمال میں کوہ احد اور باقی مختلف پہاڑیاں۔

مدینہ میں سات ماہ قیام کے بعد اسعد بن زرارہ کے دو یتیم بچے سہل اور سہیل کی زمین دس دینار میں خرید لی تاکہ اس پر مسجد کی تعمیر کی جائے اور حضور اکرمؐ نے مسجد نبوی کا سنگ بنیاد رکھا اور اس تاریخی مسجد کی تعمیر عمل میں آئی۔

اس کے بعد حکم پروردگار سے نماز پنجگانہ کی ۱۷ رکعتوں کا تعین ہوا اور جماعت کا سلسلہ شروع ہو گیا تو اعلان کے لیے ایک وسیلہ کی ضرورت محسوس ہوئی اور حضور نے دوسرے احکام کی طرح وحی پروردگار کے مطابق اذان کا حکم دیا اور بلال پہلے موذن قرار پائے۔ (واضح رہے کہ احکام الٰہیہ میں کسی شخص کی رائے یا کسی کے خواب کی کوئی قیمت نہیں ہے اور اذان کی تشریع کا عبداللہ بن زید یا عمر بن الخطاب کے خواب کی طرف منسوب کرنا ایک تاریخی افسانہ ہے جس کی اسلام میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔)

مسلمانوں کی عبادت کا انتظام کرنے کے بعد حضور نے سیاسی اور اجتماعی معاملات پر توجہ دی اور انس بن مالک کے گھر میں انصار اور مہاجرین کے درمیان برادری کا رشتہ قائم کیا گیا۔ ابوبکر خارجہ بن زید کے بھائی قرار پائے اور عمر عتبان بن مالک کے، عثمان کو اوس بن ثابت کا

بھائی قرار دیا گیا اور ابو عبیدہ کو سعد بن معاذ کا، عمار حذیفہ کے بھائی قرار پائے، اور سلمان ابو درداء کے۔ مصعب بن عمیر کی برادری ابو ایوب سے طے ہوئی اور ابوذر کی برادری منذر بن عمر سے، بلال کی اخوت ابو رویحہ سے طے پائی اور حمزہ کی اخوت زید بن حارثہ سے ــ ایک حضرت علیؑ تھے جنھیں رسول اکرمؐ نے دنیا اور آخرت میں اپنا بھائی قرار دیدیا اور اس کے علاوہ اصحاب میں کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہو سکا۔

انصار نے مواخات کا حق ادا کیا اور اپنے جملہ اموال میں مہاجرین کو شریک بنا لیا لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد مہاجرین کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا خیال پیدا ہوا اور مختلف کاروبار شروع ہو گئے۔ ابوبکرؓ بزاز بنے، عمرؓ نے دلالی کا کام شروع کیا اور عثمانؓ ۔ ۔ ۔ بیچنے لگے۔

مدینہ آبادی کے اعتبار سے ابتدا میں یہودیوں کا مرکز تھا۔ اس کے بعد یمن سے اوس اور خزرج نام کے دو شخص آکر آباد ہو گئے اور انھوں نے یہودیوں سے معاہدہ کر لیا۔ تھوڑے عرصے کے بعد دونوں فریقوں میں اختلاف ہو گیا اور یہ اختلاف برقرار رہا۔ رسول اکرمؐ نے اس صورت حال کے پیش نظر مدینہ پہونچ کر ایک عام عہد نامہ تیار کیا جس میں مسلمان، یہود اور مدینہ کے تمام قبائل شامل تھے۔ مشہور روایات کی بنا پر اس معاہدہ میں ۴۷ دفعات تھیں جو ایک عام اجتماعی زندگی کے لیے مکمل دستور العمل کی حیثیت رکھتی تھیں۔

اب ہجری سال کا سلسلہ شروع ہو گیا جس کی بنیاد طبری وغیرہ کے اشارہ کی بنیاد پر رسول اکرمؐ ہی نے قائم کی تھی اور بعد میں حضرت علیؑ نے اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اس کا تعلق کسی دوسرے صحابی یا مورخ سے نہیں ہے۔ ہجرت اسلامی تاریخ کا سب سے اہم واقعہ ہے جس میں ایثار، قربانی اور فداکاری کے بے مثال مرقع پائے جاتے ہیں اور یہی اسلامی تعلیمات کا مرکزی نقطہ ہے۔

سنہ ۱ھ میں ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل کا انتقال ہوا اور عبد اللہ بن زبیر اور مختار بن ابو عبیدہ ثقفی کی ولادت ہوئی۔

سنہ ۲ھ میں ہجرت کے ۱۷ یا ۱۹ مہینے کے بعد عین نماز کی حالت میں قبلہ کی تبدیلی کا حکم آ گیا جب حضور برار بن معرور کے مکان یا مسجد بنی سالم میں نماز ظہر میں مشغول تھے اور اس طرح اس مقام پر مسجد قبلتین کی تعمیر ہو گئی اور مسلمانوں کو یہودیوں کے طعنوں سے نجات مل گئی کہ انھوں نے نیا دین تو ایجاد کر لیا ہے لیکن انھیں ہمارے قبلہ کے علاوہ دوسرا قبلہ بھی نصیب نہیں ہے۔

ہجرت کے تقریباً ایک ماہ کے بعد ربیع الثانی میں حضر میں بعض نماز کی دو رکعتوں پر دو رکعتوں

کا اضافہ کر دیا گیا اور ظہر و عصر و عشاء کی چار رکعتیں ہو گئیں جو حضر میں باقی رہتی ہیں اور سفر میں ختم ہو جاتی ہیں۔

اس کے بعد کفار کی طرف سے مزاحمتوں کا سلسلہ شروع ہوا اور سرکار دو عالمؐ کو مسلح طور پر مقابلہ کرنا پڑا۔ بعض معرکوں میں آپ نے خود شرکت فرمائی جسے غزوہ کہا جاتا ہے اور اس کی تعداد تقریباً ۲۶ ہے۔ اور بعض میں دوسرے مسلمانوں کو سردار بنا کر بھیج دیا جسے سریہ کہا جاتا ہے اور جس کی تعداد تقریباً ۳۶ ہے۔ اور بعض مورخین کے بیان کے مطابق غزوات کی تعداد ۲۸ ہے۔ بہر حال حضور اکرمؐ کو دس سال کے عرصہ میں تمام ذمہ داریوں کے علاوہ ان معرکوں کو بھی برداشت کرنا پڑا جو آپ کی عظمت کردار کی سب سے عظیم دلیل ہے۔

ابتدائی طور پر صفر سنہ ۲ھ میں ودآن یا ابوار کی مزاحمت ہوئی۔ اس کے بعد ربیع الاول میں عکرمہ بن ابی جہل سے مڈبھیڑ ہوئی۔ ربیع الثانی میں مقام بواط تک حضور خود تشریف لے گئے۔ جمادی الاولیٰ میں عشیرہ تک جانا پڑا۔ دس دن کے بعد کرز بن جابر فہری نے جانور پکڑ لیے تو اس کا تعاقب کیا گیا جسے بدر اولیٰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جمادی الثانیہ، رجب اور شعبان میں قدرے سکون رہا۔ اس کے بعد ماہ رمضان میں بدر کبریٰ کا معرکہ پیش آیا جو اسلام کا سب سے پہلا مشہور ترین معرکہ ہے۔

بدر میں مسلمانوں کا کل سامان جنگ تین گھوڑے، ستر اونٹ، آٹھ تلواریں اور ۶ زرہیں تھیں، افراد کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ اور ادھر فوج دشمن مسلح اور ۹۵۰ افراد پر مشتمل تھی۔ ۳۱۲ افراد میں ۷۳ مہاجرین تھے اور ۲۲۶ انصار۔ علم لشکر حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھا اگرچہ آپ کے لیے یہ پہلا جنگی تجربہ تھا اور حضرت حمزہ جیسے آزمودہ کار موجود تھے لیکن جس کے پاس وہبی صلاحیت موجود ہوتی ہے وہ تجربات کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔

بدر کا معرکہ اگرچہ پہلا معرکہ تھا اور لشکر اسلام انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں تھا ــ لیکن نصرت خداوندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر کفار کے اکثر سردار عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، ابوجہل بن ہشام، رفعہ بن اسود، ابو البختری بن ہشام، امیہ بن خلف، نبیہ اور منبہ بن الحجاج سب ہی کام آ گئے اور اس طرح کفر کے حوصلے بڑی حد تک پست ہو گئے، اور شاید اس نصرت خداوندی کا راز یہی تھا کہ مسلمانوں کا اعتماد نہ لشکر پر تھا اور نہ اسلحہ پر بلکہ تمام تر اعتماد نصرت الٰہی پر تھا اور ایسے حالات میں نصرت الٰہی

کام آتی ہے ورنہ جب اعتماد غیر خدا پر شروع ہو جاتا ہے تو لاکھوں کی تعداد کے ہونے کے باوجود شکست کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آتا جیسا کہ دور حاضر میں برابر دیکھنے میں آ رہا ہے۔

بدر کے واقعی مجاہد تو صرف جناب حمزہ، جناب عبیدہ اور جناب علی مرتضٰیؑ، یعنی کل اولاد عبدالمطلب تھی۔ لیکن جب مال غنیمت ہاتھ آگیا تو سب دعویدار ہو گئے اور اس اخلاص جہاد کے باوجود طمع دنیا نے اپنا کام کرنا شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں سورۂ انفال نے سارا مال ملکِ رسولؐ بنا دیا اور آپ نے تمام مسلمانوں پر برابر برابر تقسیم کر دیا کہ واقعی مجاہدین اس قدر مخلص ہیں کہ انھیں نہ مال کی پرواہ ہے اور نہ وہ اس قسم کی تقسیم پر اعتراض کرنے والے ہیں۔

جنگ بدر میں اسیروں کے بارے میں رسول اکرمؐ کو اختیار تھا کہ چاہے یوں ہی آزاد کر دیں یا فدیہ لے کر آزاد کریں۔ چنانچہ آپ نے دونوں طریقۂ کار اختیار فرمائے۔ عباس بن عبدالمطلب کو فدیہ لیکر آزاد کیا، عمرو بن ابوسفیان کو ایک مرد انصاری سعد بن نعمان کے بدلے آزاد کیا۔ سہیل بن عمرو کو فدیہ لے کر آزاد کیا اگرچہ اس کی مشہور خطابت کی بنا پر عمر بن الخطاب کی رائے تھی کہ اس کے دانت اکھاڑ دیے جائیں لیکن آپؐ نے فرمایا کہ اسلام مُثلہ کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ نادار قیدیوں کی سزا یہ قرار پائی کہ ہر شخص دس مسلمانوں کی تعلیم کی ذمہ داری لے اور اس طرح یہ واضح ہو گیا کہ اسلام مال سے زیادہ علم کو اہمیت دیتا ہے، اور علم جس کے پاس بھی ہو اس سے حاصل کر لینا چاہتا ہے اور اس سلسلہ میں کسی تعصب کا شکار نہیں ہونا چاہتا ہے۔

جنگ بدر کے نتیجہ میں ۱۴ مسلمان شہید ہوئے جن میں ۶ مہاجر تھے اور آٹھ انصار، اور اُدھر لشکر کفار میں ستّر افراد ہلاک ہوئے اور ستّر قیدی بنائے گئے اور ہلاک ہونے والوں میں ۳۵ تنہا حضرت علیؑ کی تلوار کے مارے ہوئے تھے اور باقی کے قتل میں بھی آپ کی شرکت ثابت ہے۔

رسول اکرمؐ نے کفار کے مقتولین کو ایک کنویں میں دفن کر کے قرآن مجید کی آیت کی تلاوت کی کہ جو خدا نے ہم سے وعدہ کیا تھا وہ تو ہم نے پالیا اب تم بتاؤ کہ جو وعدہ تم سے کیا گیا تھا وہ تمھیں حاصل ہوا کہ نہیں؟ جس واقعہ میں ارواح کفار تک کی زندگی کا اشارہ پایا جاتا ہے چہ جائیکہ اولیاء خدا اور شہدائے راہ خدا۔ ان کی حیات میں شک کرنا تو اسلام سے انحراف کی علامت ہے۔

جنگ بدر کے سلسلہ میں یہ نکتہ انتہائی اہم ہے کہ اس میں حضرت علیؑ کے مقتولین میں ایک عتبہ تھا جو ہندہ جگر خوارہ کا باپ، معاویہ کا نانا اور ابوسفیان کا خسر تھا اور ایک ولید تھا جو معاویہ کا ماموں تھا اور ایک حنظلہ بن ابوسفیان تھا جو معاویہ کا بھائی تھا اور دیگر بنی امیہ کے سرکردہ افراد بھی تھے جس کے بعد معاویہ اور پھر یزید کے دل میں جذبۂ انتقام کا پیدا ہونا ایک فطری امر تھا کہ دین و مذہب نہ ہو تو رشتہ و قرابت سے زیادہ اہم کوئی شے نہیں ہے۔ ان افراد کے علاوہ زبیر کے چچا نوفل بن خویلد اور طلحہ کے چچا عمیر بن عثمان بھی تھے جن کے قتل نے مستقبل میں جنگ جمل کی زمین ہموار کی اور اس طرح حضرت علیؑ سے ان کے اسلامی مجاہدات کا بدلہ لے لیا گیا۔

چند دنوں کے بعد ماہ شوال ۲ھ میں غزوہ بنی قینقاع پیش آیا۔ یہ ان یہودیوں کی سرکوبی کا معرکہ تھا جنھوں نے ہجرت رسولؐ کے بعد مدینہ کے تحفظ کا معاہدہ کیا تھا اور جب مشرکین نے حملہ کا ارادہ کیا تو ان کے ساتھ ہو گئے اور پھر مشرکین کی شکست کے باوجود معذرت کرنے اور معافی مانگنے کے بدلے قلعہ بند ہو گئے۔ حضور اکرمؐ نے بھی قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور اس طرح پندرہ روز کے بعد ذلت کے ساتھ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے جو ہر عہد شکن اور غدار کا انجام ہوتا ہے۔

اس کے بعد ماہ ذی قعدہ یا ذی الحجہ ۲ھ میں صدیقہ طاہرہ جناب فاطمہ زہراؑ کا عقد مولائے کائنات علی بن ابی طالبؑ سے ہوا، جن کی خواستگاری کا تقاضا اسلام کی ہر بڑی شخصیت کی طرف سے ہوا تھا لیکن قدرت نے سب کے پیغامات رد کر کے نور کا رشتہ نور سے کرنے کا حکم دے دیا اور تاریخ اسلام کا پہلا اور آخری عصمتی رشتہ انجام پا گیا۔

اسی ۲ھ کے ذی الحجہ میں حضرت عثمان بن مظعون کا انتقال ہوا جنھیں رسول اکرمؐ نے یہ شرف بخشا کہ پہلے ان کی لاش کا بوسہ دیا۔ اس کے بعد قبر کے سرہانے پتھر نصب کیا اور پھر برابر ان کی زیارت کو جاتے رہے یہاں تک کہ اپنے فرزند ابراہیم کو ان کے جوار میں دفن کیا۔ جس سے اسلام کے چار مسئلے حل ہوئے۔ لاش کا بوسہ دینا، قبر کا نشان بنانا، قبر کی زیارت کرنا اور قبر کے ہمسایہ میں دوسروں کو دفن کرنا۔ جس کے بعد مسلمان توجہ نہ دے تو بریں عقل و دانش بباید گریست۔

۲۲ ذی الحجہ کو غزوۂ سویق پیش آیا جس میں ابوسفیان نے شکست بدر کے انتقام کی نذر پوری کرنے کے لیے خفیہ طور پر ۲۰۰ سپاہیوں کے ساتھ مدینہ پر یلغار کر کے دو انصار کو قتل کر دیا

اور حضور نے تعاقب کا حکم دیدیا تو اپنا ستّو بھی چھوڑ کر بھاگ گیا جس کی وجہ سے اسے غزوۂ سویق کہا جاتا ہے۔ (سویق۔ستّو)

۳ھ

۱۹ محرم کو غزوۂ قرقرۃ الکدر پیش آیا جو ابوسفیان کی سرکوبی کے لیے ہوا تھا، اور اس میں حامل لوائے اسلام حضرت علیؑ تھے اور درحقیقت غزوۂ سویق میں بھی اسی مقام تک تعاقب کیا گیا تھا۔

صفر ۳ھ میں قبیلۂ غطفان نے حملہ کا ارادہ کیا تو آپ نے ان کی سرکوبی کا پروگرام بنایا جسے غزوہ ذی امر کہتے ہیں۔ یہاں حضور درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے جب ایک کافر دعثور بن حارث نے تلوار لے کر آپ پر حملہ کرنا چاہا اور آپ سے پوچھا کہ اس وقت آپ کو کون بچا سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میرا خدا! جس کے زیر اثر وہ ڈر گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور آپ نے تلوار لے کر پوچھا کہ اب تجھے کون بچا سکتا ہے؟ تو کہنے لگا کہ آپ کا رحم و کرم۔ اور یہ کہہ کر مسلمان ہوگیا۔

۱۵ رمضان ۳ھ کو جناب علیؑ و فاطمہؑ کے یہاں پہلے فرزند کی ولادت ہوئی جس کا نام وحیِ الٰہی کی بنیاد پر حسنؑ رکھا گیا جو گویا شبر کا ترجمہ تھا جو جناب ہارون کے فرزند کا نام نامی تھا۔

تقریباً ایک ماہ کے بعد احد کا معرکہ پیش آیا جس میں کفار کی پیش قدمی کا حال سُن کر رسول اکرمؐ نے اصحاب کا امتحان لیا کہ جنگ کہاں ہونی چاہیے؟ — بعض اصحاب نے کہا کہ داخل مدینہ اور بعض نے کہا خارج مدینہ۔ خارج مدینہ کی اکثریت کو دیکھ کر مصلحت پروردگار کے مطابق آپ سلاح جنگ سے سج کر بیت الشرف سے برآمد ہوئے تو اصحاب نے کہا کہ داخل مدینہ جنگ بہتر رہے گی۔ آپ نے فرمایا کہ انبیاء جب سلاح جنگ پہن لیتے ہیں تو جنگ کے خاتمہ سے پہلے نہیں اُتارا کرتے ہیں۔ یہ تمہارا صرف ایک امتحان تھا ورنہ نبی کسی کے مشورہ کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے بعد بیرون شہر مقام احد میں جنگ ہوئی۔ کفار کے لشکر کی تعداد تین ہزار تھی اور مسلمان صرف ایک ہزار تھے جن میں تین سو افراد عبداللہ بن اُبی منافق کے ساتھ تھے جو درمیانِ راہ سے واپس ہوگئے تاکہ مسلمانوں میں انتشار پیدا ہوجائے لیکن بہرحال جنگ ہوئی۔ مسلمان اگرچہ یہاں بھی بے سروسامان تھے۔ اُدھر ۷۰۰ زرہیں تھیں اور اِدھر صرف ستّو۔ اُدھر دو سو گھوڑے تھے اور اِدھر صرف دو۔ اُدھر مشرکین میں میمنہ کا سردار خالد بن ولید، میسرہ کا سردار عکرمہ بن ابی جہل۔ علمبردار لشکر طلحہ بن ابی طلحہ اور اِدھر انصار کے سردار سعد بن عبادہ اور مہاجرین کے علمبردار حضرت علیؑ ابن ابی طالب تھے۔

میدان کا پہلا مقابلہ حضرت علیؑ اور طلحہ بن ابی طلحہ کے درمیان ہوا جس کے سر پر تلوار لگی تو گر کر برہنہ ہوگیا اور آپ نے منھ پھیر لیا تو دوسرے وار سے بچ کر نکل گیا اور لشکر کفر میں علیؑ کے مقابلہ میں یہ ایک مستقل حربہ بن گیا جو جنگ صفین تک استعمال ہوتا رہا۔ طلحہ پہلے ہی وار کی تاب نہ لاکر چل بسا تو عمومی جنگ شروع ہوگئی۔ لشکر اسلام کے مجاہد علیؑ، حمزہ، مقداد اور ابودجانہ انصاری تھے جن کو رسول اکرمؐ نے تلوار اس شرط سے دی تھی کہ اس کا حق ادا کریں گے یعنی جہاد کریں گے اور فرار نہ کریں گے جب کہ زبیر بن عوام کو تلوار نہیں عنایت فرمائی تھی۔

میدان فتح ہوگیا تھا اور مال غنیمت جمع کرنے کا وقت آگیا تھا کہ بعض صحابۂ کرامؓ نے غنیمت کی لالچ میں رسول اکرمؐ پر بے اعتمادی کا اظہار کرتے ہوئے ان کے حکم کے باوجود درّہ کو چھوڑ دیا اور میدان میں آگئے جس کے نتیجہ میں خالد بن ولید نے دوبارہ حملہ کردیا اور مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ بھاگنے والوں میں تمام سربرآوردہ شخصیتوں کے نام ملتے ہیں۔ درمنثور اور تفسیر کبیر نے حضرت عمرؓ کے نام کی صراحت کی ہے، طبری نے حضرت عثمانؓ کی نشان دہی کی ہے اور مستدرک نے حضرت ابوبکرؓ کا تعارف کرایا ہے۔

بھگدڑ کا یہ عالم تھا کہ ابتدا میں ڈیڑھ سو مسلمانوں نے جنگ شروع کی اور آخر میں حضرت علیؑ لشکر کفر کے علمبرداروں کے قتل میں مصروف ہوگئے، جس کے نتیجہ میں رسول اکرمؐ زخمی ہوگئے تو آپ ان کی حفاظت میں مصروف ہوگئے جس کے زیر اثر سولہ ایسے زخم کھائے کہ بار بار گر پڑتے تھے لیکن رسول اکرمؐ سے دفاع کرتے رہے اور میدان سے فرار کو ایمان کے بعد کفر کا درجہ دیتے رہے۔

اُدھر جناب حمزہ کی شہادت واقع ہوگئی اور وحشی ملعون نے ان کا کلیجہ ہندہ کے حوالے کردیا جس نے چبانے کی کوشش کی اور جب ناکام ہوگئی تو ناک، کان کا ہار بنا کر گلے میں ڈال لیا اور اس طرح کفر نے اسلام سے اپنی شکست کا پورا بدلہ لے لیا اور کوئی معروف صحابی اسلام کے کام نہ آیا۔

رسول اکرمؐ نے جناب حمزہ کے جنازہ پر سات تکبیریں کہیں اور پھر دوسرے شہداء کے جنازہ کی نماز کے ساتھ بھی حمزہ کو شامل رکھا یہاں تک کہ ۷۲ مرتبہ نماز جنازہ ہوئی۔ پھر حمزہ کو الگ دفن کیا گیا۔ عمرو بن الجموح اور عبداللہ بن عمرو کو ایک قبر میں اور باقی تمام شہداء کو ایک مقام پر دفن کردیا گیا اور اس طرح ۱۵ شوال ۳ھ کا یہ معرکہ بھی ختم ہوگیا۔

رسول اکرمؐ کے زخمی ہونے کے بعد جناب فاطمہؑ باپ کی خبرگیری کے لیے آئیں اور انھوں نے

زخموں کے دُھلانے اور علاج کرنے میں حضرت علیؑ کا مکمل ساتھ دیا۔ اور ان کے علاوہ کوئی ہمدرد یا یارِ غار نظر نہیں آیا۔

سنہ ۴ھ

بعض قبائل عرب نے سرکار دو عالمؐ سے معلم کا مطالبہ کیا تو آپ نے ۶ افراد کو بھیج دیا اور کفار نے مقام رجیع پر سب کو گھیر کر قتل کر دیا۔

صفر سنہ ۴ھ میں نجد والوں نے ایسا ہی مطالبہ کیا اور آپ نے چالیس افراد کو روانہ کیا اور ابو البراء عامر بن مالک ملاعب الاسنہ نے ضمانت بھی دی لیکن کفار نے بئرِ معونہ پر سب کو تہِ تیغ کر دیا۔

ربیع الاول سنہ ۴ھ میں رسول اکرمؐ سردار بنی نضیر کعب بن اشرف کے پاس گئے تو یہودیوں نے عہد شکنی کرکے ایک پتھر گرا کر آپ کو شہید کرنا چاہا۔ جس سے رب العالمین نے بچا لیا تو آپ نے مدینہ سے لشکر بھیج کر ان لوگوں کا محاصرہ کرا لیا اور تین دن کے اندر مدینہ خالی کرا لیا۔ یہ سب بھاگ کر خیبر چلے گئے اور وہاں ریشہ دوانیوں میں لگ گئے۔ یہ خیبری افراد مدینہ کے رہنے والے تھے جنھوں نے عہد شکنی کی تھی لہذا ان کی سرکوبی کا جواز موجود تھا چاہے جہاں بھی چلے جائیں، اور ان کی سرکوبی کو حملہ کا نام نہیں دیا جاسکتا ہے۔

۳ شعبان سنہ ۴ھ کو صدیقہ طاہرہؑ کے دوسرے فرزند امام حسینؑ کی ولادت ہوئی جسے رب العالمین نے روز اول ہی اسلام کا فدیہ اور ذبح عظیم قرار دے دیا تھا۔

اسی شعبان یا ذی قعدہ میں کفار اُحد کی ابتدائی ذلت کا بدلہ لینے کے لیے اور ابوسفیان کی بات کی لاج رکھنے کے لیے برائے انتقام دوبارہ بدر کی طرف چلے اور ادھر رسول اکرمؐ بھی پہونچ گئے تو ابوسفیان فرار کر گیا اور آپ ۱۶ دن قیام کرکے واپس آگئے۔

سنہ ۵ھ

۲ شعبان سنہ ۵ھ کو قبیلہ خزاعہ نے مدینہ پر حملہ کر دیا اور آپ نے باقاعدہ مقابلہ کرکے دس کو قتل کر دیا اور باقی سب کو قیدی بنا لیا جسے غزوہ بنی المُصْطَلِق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

کفار مکہ نے دیکھ لیا کہ تنہا اسلام سے مقابلہ آسان نہیں ہے اور پے در پے شکست ہو رہی ہے تو یہ طے کیا کہ مدینہ کے یہودیوں سے ساز باز کرکے مشترکہ حملہ کر دیا جائے اور اس طرح اسلام مقابلہ کے قابل نہ رہ جائے گا۔ چنانچہ اس خبر کے پاتے ہی یہودی خود مکہ پہونچ گئے اور کفار کو مدینہ

پر حملہ کرنے کی دعوت دیدی۔ رسول اکرمؐ نے اس صورت حال کو دیکھ حفاظت کی تیاریاں شروع کر دیں اور جناب سلمان کے مشورہ سے مدینہ کے اطراف میں خندق کھدوانے کا پروگرام مرتب کر لیا۔ طے یہ پایا کہ ہر دس آدمی مل کر ۴۰ گز زمین کھود دیں گے۔ اور سلمان نے تن تنہا یہ طے کیا کہ سب کے برابر زمین کھود دیں گے۔ چنانچہ ایسی صورت حال کو دیکھ کر انصار و مہاجرین دونوں نے چاہا کہ سلمان کے کارنامہ کو اپنے حساب میں درج کر لیا جائے تو حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ سلمان کا شمار ہم اہلبیتؑ کے ساتھ ہے، اور اہلبیتؑ میں وہی شخص شامل ہوسکتا ہے جس کا کارنمایاں تمام انصار و مہاجرین کے برابر ہو اور وہ تنہا سارے کمالات کا حامل ہو۔

ماہ رمضان میں خندق کھودنے کا کام شروع ہوا اور روزہ رکھے ہوئے مسلمان راہ خدا میں جہاد کرتے رہے۔ شوال میں معرکہ پیش آیا۔ ادھر بنی نضیر مدینہ سے نکالے جا چکے تھے اور انھوں نے انتہائی سازش کرکے بنی قریظہ کو بھی عہد شکنی پر آمادہ کر لیا اور اس طرح مسلمانوں پر شدید ہراس طاری ہوگیا۔ مغازی واقدی کے مطابق حضرت عمرؓ نے کفار کی تیاری کی خبر پہونچائی اور حضرت ابوبکرؓ شدید طور پر خوفزدہ ہوگئے، باقی مسلمانوں کا کیا ذکر ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمنوں نے ۲۰ دن تک مدینہ کا محاصرہ جاری رکھا اور صرف تیراندازی کا تبادلہ ہوتا رہا یہاں تک کہ دشمن کے حوصلے بلند ہوگئے اور عمرو بن عبدود، ضرار بن الخطاب، ہبیرہ بن وہب جیسے افراد خندق پار کرکے اس طرف آگئے جو بظاہر انتہائی احمقانہ اقدام تھا کہ چند افراد اپنے لشکر سے کٹ کر رہ گئے لیکن مسلمانوں میں مقابلہ کی ہمت نہ ہوسکی۔ یہاں تک کہ حضور کے للکارنے پر بھی کسی کے سر سے طائر نہ اُڑا اور سب سر جھکائے بیٹھے رہے۔ بالآخر رسول اکرمؐ کے مطالبہ پر حضرت علیؑ نے جنگ کی اور تا دیر مقابلہ کے بعد خود بھی زخمی ہوئے اور عمرو کا بھی خاتمہ کر دیا پھر خندق میں اتر کر منبہ کو بھی تمام کیا۔ ادھر فوج دشمن میں بھگدڑ مچ گئی تو ضرار نے تعاقب کا احساس کرکے فرار اختیار کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ احساس پیدا ہوا کہ علیؑ بھاگنے والوں کا تعاقب نہیں کرتے ہیں تو مڑ کر دیکھا کہ حضرت عمرؓ ہیں تو اس نے حملہ کر دیا اور اب انھوں نے بھاگنا شروع کر دیا یہاں تک کہ جب قریب پہونچ گیا تو ان پر جان بخشی کا احسان جتا کر چھوڑ دیا۔

عمرو کو قتل کرنے کے بعد حضرت علیؑ نے اس کی قیمتی زرہ بھی حاصل نہ کی جس پر اس کی بہن نے آپ کی شرافت و نجابت کا قصیدہ پڑھا اور اس طرح اسلام تلوار اور کردار دونوں کا

فاتح قرار پایا۔

بنی قریظہ کی عہد شکنی کی سزا کے طور پر جنگ خندق کے دوسرے دن حضورؐ نے بنی قریظہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیدیا۔ حضرت علیؑ علمبردار لشکر تھے۔ ان لوگوں نے پہلے گالیوں سے مقابلہ کیا، اس کے بعد قلعہ بند ہو گئے۔ ۲۵ دن تک محاصرہ جاری رہا۔ آخرکار ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے اور قبیلہ اوس نے ان کی سفارش کی تو وہ لوگ سردار قبیلہ سعد بن معاذ کے فیصلہ پر راضی ہو گئے۔ اور انھوں نے یہ فیصلہ سُنا دیا کہ تمام مَردوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں اور بچّوں کو غلام و کنیز بنا لیا جائے۔ جس پر یہ بات مشہور ہو گئی کہ کاش سعد کے بجائے معاملہ کو خود حضورؐ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہوتا۔

بنی قریظہ سے غنیمت کے طور پر ملنے والا مال ۱۵۰۰ تلواریں، ۳۰۰ زرہیں، دو ہزار نیزے، ۵۰۰ سپریں اور بے تحاشہ شراب وغیرہ کے ذخائر تھے جنھیں ضائع کر دیا گیا۔

قتل کرنے کی نوبت آگئی تو تمام افراد کو حضرت علیؑ اور زبیر نے قتل کیا اور آخر میں بنی نضیر کے سردار حی بن اخطب کو بھی قتل کیا گیا اور اس طرح ۷۵۰ افراد قتل کیے گئے اور ایک ہزار عورتوں اور بچوں کو غلام اور کنیز بنا لیا گیا۔

سنہ ۶ھ

ربیع الاول سنہ ۶ھ میں غزوہ ذی قرد پیش آیا جو شام کے راستہ میں ایک چشمہ کے پاس کا واقعہ ہے۔

مکہ چھوڑنے کے بعد سے مسلمان حج بیت اللہ کے لیے بے چین تھے اور رسولِ اکرمؐ برابر تسکین دے رہے تھے کہ ایک مرتبہ آپ نے خواب دیکھا کہ خانۂ خدا کا طواف کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو خبر سُنائی تو مسلمانوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور آپ یکم ذی قعدہ کو حج سے پہلے عمرہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

مکہ کے قریب پہونچ کر آپ نے چاہا کہ مکہ میں یہ اطلاع پہونچائیں کہ ہم لوگ صرف طواف کے لیے آئے ہیں اور جنگ کا کوئی ارادہ نہیں ہے لیکن حضرت عمرؓ نے خوف کے مارے جانے سے انکار کر دیا اور حضرت عثمانؓ کو بھیجا گیا تو وہ گرفتار ہو گئے، اور یہاں ان کے قتل کی خبر مشہور ہو گئی تو مسلمانوں نے مکہ پر حملہ کرنے کا تقاضا کر دیا اور آپ نے احد کے تجربہ کی بنا پر موت کے بجائے میدان سے فرار نہ کرنے کے نام پر بیعت کا مطالبہ کیا۔ (ابوالفداء، مغازی واقدی، تاریخ ابن الوردی)

بقول طبرسی (اعلام الوریٰ) سب نے اس بات پر بیعت کی کہ مقابلہ کے میدان سے ہرگز فرار نہیں کریں گے۔

اور سہیل بن عمرو کفار کا نمائندہ بن کر صلح کا پیغام لے کر آگیا۔ اور جب یہ محسوس کر لیا کہ حضور جنگ نہیں کریں گے تو ہر طرح سے دبانا شروع کیا۔ آپ نے بھی بظاہر اس کی تمام شرطیں تسلیم کر لیں اور نہ اصحاب سے مشورہ کیا اور نہ ان کی ناراضگی کی کوئی پرواہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمر کو نبوت میں شک ہو گیا اور مسلمانوں میں ایک خلفشار برپا ہو گیا۔

اُدھر سہیل کا بیٹا جو مسلمان ہو چکا تھا اور باپ کے ہاتھوں مسلسل اذیتیں برداشت کر رہا تھا۔ رسول اکرمؐ کی خبر پا کر زنجیروں سمیت حاضر ہو گیا اور پناہ کا مطالبہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تمھاری مدد کرے۔ میں معاہدہ کر چکا ہوں کہ اپنے آدمیوں کو واپس نہیں لوں گا لہذا عہد شکنی نہیں کر سکتا۔

اس موقع پر حضرت عمرؓ نے چاہا کہ ابوجندل کو تلوار دے دیں کہ وہ اپنے باپ کو قتل کر دے، لیکن اُس نے انکار کر دیا کہ میں عہدِ رسولؐ کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آپؐ نے اسے دعائیں دیں اور حسب معاہدہ اسے واپس کر دیا۔

سنہ ۷ھ

بنی نضیر اپنی عہد شکنی کی بنیاد پر پہلے ہی مدینہ سے نکالے جا چکے تھے۔ بنی قریظہ کو بھی جنگ احزاب میں مشرکین کی مدد کرنے کی سزا میں شہر بدر ہونا پڑا جس کے بعد تمام یہودیوں میں اسلام سے انتقام لینے کا جذبہ پیدا ہو گیا اور میثاق مدینہ بالکل بے معنی قرار پا گیا۔ رسول اکرمؐ کو اصولی طور پر حق حاصل تھا کہ میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کرنے والوں کی سرکوبی کریں چاہے وہ جس مقام پر قلعہ بند ہو جائیں۔ اسی بنا پر آپ نے خیبر کا رُخ فرمایا ورنہ اسلام اپنی پالیسی کے اعتبار سے بظاہر علاقۂ غیر میں جا کر جنگ کرنے کا قائل نہیں ہے اگرچہ قانونی طور پر اسے دین خدا کے لیے ہر علاقہ میں جنگ چھیڑنے کا اختیار حاصل ہے کہ اُس کے خدا کے لیے کوئی علاقہ علاقۂ غیر نہیں ہے۔

خیبر میں ۱۴ ہزار یہودی قلعہ بند ہو چکے تھے۔ حضور اکرمؐ نے رجب سنہ ۷ھ میں خیبر کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا لیکن مدینہ سے خیبر کا فاصلہ طے کرنے میں اس قدر زحمت سفر کا سامنا پڑا کہ حضور دردِ شقیقہ

میں مبتلا ہو گئے اور حضرت علیؑ کو آشوبِ چشم کی تکلیف ہو گئی جس کی بنا پر مسلمانوں کو موقع مل گیا کہ اپنے طور پر سردار لشکر طے کر کے حملہ کر دیں یا بعض افراد کو خود ہی سرداری کا خیال پیدا ہو گیا اور وہ علم اسلام لے کر خیبر کے قلعوں تک پہونچ گئے لیکن جب خیبر کے بہادروں نے للکارا تو صحت و سلامتی کے ساتھ واپس آگئے جس کی تصویر کشی مدارج النبوۃ وغیرہ نے اس طرح کی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے قتال شدید کا سامنا کیا لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا تو مجبوراً واپس آگئے جس کے بعد رسول اکرمؐ نے اعلان کیا کہ تمھاری پیش قدمی یا تمھارے انتخاب کا حشر معلوم ہو گیا۔ اب کل میں علم دوں گا اور اسے دوں گا جو مرد میدان، کرار غیر فرار، خدا و رسولؐ کا دوست اور خدا و رسولؐ کا محبوب ہو گا اور اس وقت تک واپس نہ آئے گا جب تک خیبر فتح نہ ہو جائے۔ چنانچہ دوسرے دن شکست خوردہ افراد نے بھی اپنے قد شجاعت کو مزید اونچا کرنا چاہا، لیکن رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو طلب کر کے رایت لشکر ان کے حوالے کر دیا اور انھوں نے ۲۴ رجب ۷ھ کو مرحب، عنتر، حارث جیسے پہلوانوں کا خاتمہ کر کے خیبر کے تمام قلعوں کو فتح کر لیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فاتح خیبر کے لقب سے ملقب ہو گئے۔

خیبر کی فتح کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ اہل فدک نے جنگ سے بچتے ہوئے اپنے علاقہ کو رسول اکرمؐ کے حوالے کر دیا اور یہ علاقہ رسولؐ کا خالصہ قرار پا گیا جسے آپ نے بحکم خدا اپنی دختر نیک اختر جناب فاطمہ زہراؑ کے حوالے کر دیا اور اسلام بڑی حد تک خدیجہ کے احسانات کا بدلہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔

فدک مدینہ سے دو دن کے فاصلہ پر سات قطعات اراضی کا مجموعہ تھا جس کی آمدنی لاکھوں میں تھی۔ اسے چند درختوں کا مجموعہ کہنا اس علاقہ کی توہین نہیں ہے۔ بلکہ ان افراد کی توہین ہے جنھوں نے اپنے شفیق ترین پیغمبرؐ کی دختر نیک اختر کو ان کے مطالبہ کے باوجود یہ چند درخت دینے سے انکار کر دیا اور اس طرح تنقید و تبصرہ کا نیا دروازہ کھول دیا۔

فدک کا علاقہ مال غنیمت نہیں تھا لہٰذا اس سے مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں تھا اور رسول اکرمؐ بھی کسی کو بخشی ہوئی جائداد کو صدقہ مسلمین بنا کر دنیا سے نہیں جا سکتے ہیں۔

اسی ۷ھ میں منبر رسولؐ کی تشکیل ہوئی جس میں ابتدائی طور پر ۳ تین زینے تھے، بعد میں بڑھا کر ۷ سات کر دیے گئے۔

اسی ۷ھ کے اواخر یعنی ذی قعدہ میں وہ عمرہ بجا لایا گیا جو صلح حدیبیہ کی بنا پر ترک کر دیا گیا تھا

اور جسے تاریخ میں عمرۃ القضا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس عمرہ کے موقع پر پہلے حضرت علیؑ نے کفار سے مکہ کو خالی کرایا، اس کے بعد رسول اکرمؐ عمرہ کے لیے مکہ میں داخل ہوئے اور اس طرح قدرت نے اس موقع پر بھی حضرت علیؑ کے کردار کی انفرادیت کو برقرار رکھا۔

اُدھر ۷ھ ہی میں سرکار دو عالمؐ نے دنیا کے مختلف سلاطین کو اسلام کا پیغام بھیجا۔ ایران کے کسریٰ، روم کے قیصر، حبش کے نجاشی، عمان کے حاکم، مصر کے مقوقس، بحرین کے سلطان، یمامہ کے بادشاہ اور بصریٰ کے حکمراں کے علاوہ حاکم شام منذر بن حارث۔

ان تمام خطوط میں اجمالی طور پر اَسْلِمْ تَسْلَمْ کا پیغام تھا کہ اسلام لے آؤ اسی میں سلامتی ہے یا پھر اسلام نہ لانے کی صورت میں عذاب آخرت کا ذکر تھا۔ دنیا میں حملہ کر کے بزور شمشیر اسلام پھیلانے کا کوئی تذکرہ نہیں تھا اور نہ یہ اسلام کی تبلیغی پالیسی رہی ہے۔ اسلام لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کا مذہب ہے اور اسی اصول کو باقی رکھنا چاہتا ہے۔

۸ھ

جمادی الاولیٰ ۸ھ میں جنگ مُوتہ ہوئی جسے غزوات میں شمار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ حضور اکرمؐ کی شرکت نہیں تھی بلکہ آپ نے تین ہزار مسلمانوں کا لشکر روانہ کر دیا تھا جب کہ مقابلہ پر شرجیل کی کمک کی بنا پر ایک لاکھ رومی فوج تھی۔ لشکر اسلام کی ترتیب یہ تھی کہ پہلے سردار لشکر زید بن حارثہ ہوں گے ان کی شہادت کے بعد جعفر بن ابی طالبؑ اور ان کے بعد عبد اللہ بن رواحہ۔

سرداران لشکر ایک کے بعد ایک کام آگئے۔ اس طرح کہ جعفر طیارؑ کے جسم پر کل ۵۰ یا ۹۰ زخم تھے جس میں سے ۳۰ صرف چہرہ پر تھے۔ آپ کا دست مبارک بھی قطع ہو گیا تھا جب کہ آپ کی عمر صرف ۳۳ یا ۳۴ سال تھی اور اسلام اپنے پہلے ۳۴ سالہ سپاہی کی ایسی قربانی پیش کر رہا تھا جس میں شانے بھی قلم ہو جائیں اور قدرت کی طرف سے طیار کا لقب بھی حاصل ہو جائے۔

سرداروں کی شہادت کے بعد خالد بن ولید نے کمان سنبھال لی اور حالات کے خطرات کو دیکھ کر لشکر کو لے کر بھاگ آیا جس پر مدینہ میں اس قدر ملامت کی گئی کہ سپاہیوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا لیکن بے گناہ صحابی رسولؐ مالک بن نویرہ کے قتل اور ان کی زوجہ محترمہ سے بدکاری کی بنا پر خالد کو سیف اللہ کے لقب سے نواز دیا گیا اور یہ تلوار پھر ہمیشہ برہنہ ہی رہی۔

اس کے بعد فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا، جس کی مختصر داستان یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد ہر قبیلہ کو دوسرے قبیلہ سے معاہدہ کرنے کا حق حاصل ہو گیا تھا جس کی بنا پر بنی خزاعہ نے رسول اکرمؐ سے معاہدہ کیا اور بنی بکر قریش کے حلیف بنے۔ لیکن ایک دن موقع پاکر بنی بکر کے آدمی نے بنی خزاعہ کے آدمی کو ٹھیک حرم کے اندر قتل کر دیا اور انھوں نے رسول اکرمؐ سے فریاد کی تو آپ نے بھی دس ہزار مسلمانوں کو لے کر ماہ مبارک میں مکہ کا ارادہ کر لیا۔

مدینہ سے باہر نکل کر آپ نے روزہ توڑ دیا اور مسلمانوں کو بھی حکم دیا بلکہ نہ توڑنے والوں کی مذمت بھی کی جو قصر کے ضروری ہونے کی بہترین دلیل ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۲۸۶)

ابھی لشکر مکہ کے باہر ہی تھا کہ ابوسفیان دریافت حال کے لیے آگیا اور مسلمانوں کے زغہ میں گھر گیا، عباس نے اسے پناہ دی اور اسلام لانے کا مشورہ دیا تو مجبوراً اظہار اسلام پر آمادہ ہو گیا اور رسول اکرمؐ نے اسے پناہ دے دی اور پھر اعلان کر دیا کہ جو شخص ابوسفیان، حکیم بن حزام، خانۂ کعبہ یا بیت نبیؐ میں پناہ لے لے اس کے لیے پناہ ہے تاکہ اس طرح واضح ہو جائے کہ کون کس جگہ کو اپنی پناہ گاہ قرار دیتا ہے اور کس کا اسلام کس نوعیت کا ہے۔

اس کے بعد آپ نے عباس سے کہا کہ ذرا ابوسفیان کو ہمارے لشکر کا معائنہ تو کراؤ۔ عباس نے لشکر کا معائنہ کرایا تو ابوسفیان بول اٹھا تمھارے بھتیجے کی حکومت کافی ترقی کر گئی ہے۔ عباس نے ٹوک کر کہا کہ یہ حکومت نہیں ہے بلکہ نبوت ہے جس کے بعد اسلام اور استسلام کا فرق بھی واضح ہو گیا کہ استسلام کی بنیاد نبوت نہیں ہے بلکہ حکومت اور اس کا خوف ہے اور بس۔!

مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے انصار کے ساتھ داخلہ پسند فرمایا جن کے علمبردار سعد بن عبادہ تھے۔ انھوں نے جذبات میں آکر اعلان کر دیا کہ آج بدلے کا دن ہے اور آج ہر طرح کا انتقام جائز ہے۔ حضور اکرمؐ کو یہ اعلان اس قدر ناگوار گذرا کہ آپ نے علم لشکر سعد سے لے کر حضرت علیؑ کے حوالے کر دیا کہ اسلام جذباتی علمداری کا حامی نہیں ہے۔ اسلام جوش کے بجائے ہوش کا طلبگار ہے۔

کعبہ میں داخل ہو کر نماز ادا فرمائی۔ پھر مشرکین کو ان کے جرائم اور مظالم یاد دلا کر طلقاء کہہ کر آزاد کر دیا اور پھر ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس موقع پر رسول اکرمؐ نے مظالم کا ذکر کرنے کے بعد یہ سوال بھی کیا کہ تم لوگ مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو تو سہیل بن عمر نے کہا کہ آپ خود کریم ہیں اور ایک کریم

خاندان سے تعلق رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ جاؤ میں نے تم سب کو آزاد کر دیا تاکہ مشرکین پر بھی یہ بات واضح رہے کہ آزاد اور ہوتے ہیں اور آزاد کردہ اور۔ آزاد کردہ افراد کو شرفا سے مقابلہ کرنے کا حق نہیں ہے۔

نماز ادا کرنے کے بعد حضرت علیؑ کو اپنے کاندھوں پر بلند کر کے طاقہائے کعبہ سے بت گروائے اور بقول محدث دہلوی اس بات پر ناز فرمایا کہ علیؑ کار حق انجام دے رہے ہیں اور میں بار حق اٹھائے ہوئے ہوں۔

مکہ میں ۱۰ یا ۱۵ یا ۱۷ یا ۱۸ دن قیام فرمانے کے بعد واپسی ہوئی۔ لیکن چونکہ مسلمانوں کا دس دن کا قیام طے نہیں ہوا تھا اس لیے نماز قصر ہی ہوتی رہی۔

ماہ رمضان میں مکہ فتح ہو جانے کے بعد ۱۰؍شوال ۸ھ کو جنگ حنین ہوئی جس کا میدان مکہ اور طائف کے درمیان تھا۔ مسلمان تیرہ ہزار کی تعداد میں تھے اور انھیں فتح کا غرور بھی تھا۔ لیکن دشمن کے حملے کو دیکھ کر سب نے فرار اختیار کیا۔ اور جب آپ نے مسلسل آواز دی اور غیرت دلائی تو واپس آئے اور ایسا معرکہ ہوا کہ ۷۰ کفار مارے گئے جب کہ مسلمانوں میں صرف چار افراد شہید ہوئے۔ مال غنیمت میں چار ہزار قیدی، ۲۴ ہزار اونٹ اور ۴۰ ہزار بھیڑ بکریاں ہاتھ آئیں اور ایک من کے قریب چاندی بھی حاصل ہوئی۔

ادھر جنگ مؤتہ کے بعد رومیوں کے حوصلے اور بلند ہو گئے اور ہرقل روم نے اسلام کو فنا کر دینے کا منصوبہ بنا لیا۔ حضور اکرمؐ نے بھی عام نفیر کا اعلان کر دیا کہ سارے مسلمان جہاد کے لیے آمادہ ہو جائیں اور تبوک تک جا کر وہاں شعبان اور ابتدا رمضان میں قیام فرمایا لیکن کسی مزاحمت کی نوبت نہیں آئی اور آپ نے واپسی کا قصد کر لیا۔ دشمن شوکت اسلام کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکے تھے، لہذا انھوں نے نیا پروگرام یہ بنایا کہ واپسی میں گھاٹی میں حضور کے اونٹ کو بھڑکا کر گھاٹی میں گرا دیا جائے اور آپ کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا لیکن عین موقع پر قدرت کی طرف سے ایسی بجلی چمکی کہ سب کے چہرے پہچان لیے گئے اور آپ نے حذیفہ اور عمار کو اس راز کا راز دار بنا دیا جو اس قدر سنگین مسئلہ بن گیا کہ اکثر حضرت عمرؓ حذیفہ سے پوچھا کرتے تھے کہ کہیں منافقین میں میرا نام تو نہیں ہے۔

واضح رہے کہ اس موقع پر رسول اکرمؐ کے ہمراہ حضرت علیؑ نہیں تھے اس لیے کہ آپؐ کو معلوم تھا کہ جنگ ہونے والی نہیں ہے اور آپؐ نے انھیں یہ کہہ کر مدینہ میں روک دیا تھا کہ مدینہ میں میرا یا تمھارا

رہنا ضروری ہے کہ میرا اور تمہارا رشتہ موسیٰ اور ہارون کا رشتہ ہے، صرف میرے بعد نبوت کا سلسلہ نہیں رہے گا۔

۹ھ

فتح مکہ کے دوسرے سال قدرت نے مشرکین سے برأت کا اعلان کیا اور سورۂ توبہ کی آیتیں نازل ہوئیں جسے لے کر ابتداءً حضرت ابوبکرؓ گئے لیکن بعد میں وحیِ خدا نے انھیں واپس کرکے حضرت علیؑ کے ذریعہ اعلان کا حکم دے دیا اور آپ نے حج اکبر کے موقع پر مشرکین سے بیزاری کا اعلان کر دیا جو اصولی طور پر پیروانِ علیؑ بن ابی طالب کا ایک ابدی مسلک ہے۔

اعلان برأت کے چار اہم نکات تھے:

۱۔ مشرکین نجس ہیں لہذا مسجد الحرام کے قریب نہ آئیں۔

۲۔ برہنہ ہو کر خانۂ خدا کا طواف نہ کیا جائے۔

۳۔ کافر جنت کی طرف سے مایوس ہو جائے۔

۴۔ جملہ معاہدوں پر عمل درآمد صرف چار ماہ تک ہوگا۔ اس کے بعد اسلام اپنے تصرفات میں آزاد رہے گا۔

اعلان برأت کے بعد ۲۴ ذی الحجہ ۹ھ کو نصاریٰ نجران سے مقابلہ ہوا جو حضرت عیسیٰؑ کی خدائی کو منوانے کے لیے آئے تھے۔ اور جب قرآنی آیات پر ایمان نہ لائے تو رسول اکرمؐ حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور حضرات حسنؑ و حسینؑ کو لے کر مباہلہ کے میدان میں آ گئے جس کے بعد عیسائیوں نے شکست تسلیم کر لی اور جزیہ دینے کے لیے تیار ہو گئے۔

اسلام کے سارے معرکوں کے سر ہو جانے کے بعد رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو یمن کی تبلیغی مہم پر روانہ کر دیا جس کے نتیجہ میں پورا قبیلۂ ہمدان مسلمان ہو گیا۔

۱۰ھ

اُدھر رسول اکرمؐ ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ کو آخری حج کے ارادہ سے نکل پڑے جس قافلہ میں آپ کے ہمراہ لاکھوں مسلمان تھے۔ حضرت علیؑ جانورانِ قربانی لے کر یمن سے سیدھے مکہ آ گئے اور آپ کے ساتھ حج میں شامل ہو گئے۔ واپسی میں غدیر کے میدان میں بحکم خدا قافلہ روکا

گیا اور آپؐ نے ایک لاکھ بیس ہزار اصحاب کے مجمع میں اعلان فرما دیا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ بھی مولا ہے، اور اس طرح اسلام کا آخری منصوبہ بھی مکمل ہو گیا اور آیت نے الیوم اکملت لکم دینکم کی سند دے دی۔

حج سے واپسی پر جنگ موتہ کے زیر اثر آپ نے ایک لشکر اسامہ بن زید کی سرکردگی میں روم کی طرف روانہ کر دیا جس میں حضرات شیخین کو بھی شامل کر دیا جو بعد میں واپس آ گئے اور نہیں گئے، اس سریہ سے آپ نے صرف حضرت علیؑ کو الگ رکھا تھا۔

لشکر کی روانگی کے بعد آپ کے مرض کی شدت میں اضافہ ہونے لگا جس کے بعد آپ نے نوشتۂ نجات لکھنے کے لیے قلم اور دوات کا مطالبہ کیا اور حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر روک دیا کہ ان پر بخار کا غلبہ ہے اور یہ ہذیان بک رہے ہیں جس کا صدمہ اور شدید ہو گیا اور آپ اس تکلیف سے جانبر نہ ہو سکے۔

رسول اکرمؐ کی بیماری سے فائدہ اُٹھا کر حضرت ابوبکرؓ کو امامت جماعت کے لیے آگے بڑھا دیا گیا آپؐ نے آواز سنی تو اسی عالم میں مسجد میں آ کر انھیں ہٹا کر خود نماز پڑھائی اور بقدر نماز جماعت بھی کسی کی امامت گوارا نہ فرمائی۔

مرض الموت سے حالت غیر ہوئی تو اپنے بھائی اور وصی کو طلب کیا۔ حضرت عائشہ نے ابوبکرؓ اور حفصہ نے عمرؓ کو طلب کر لیا تو آپ نے دونوں کو ہٹا دیا اور ام سلمہ سے علیؑ کو طلب کیا۔ حضرت علیؑ آئے تو ان سے وصیتیں کیں اور پھر انھیں کی آغوش میں سر رکھ کر دنیائے فانی سے انتقال فرمایا۔ بنی ہاشم کے چند افراد نے غسل و کفن کا اہتمام کیا۔ حضرت علیؑ نے تجہیز و تکفین کی اور اپنے ہاتھوں سے سپرد خاک کر دیا۔

بہت سے مسلمانوں نے اور بقول ابوالفدا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے بھی جنازہ میں شرکت نہیں کی اور اس طرح اسلام کی تاریخ میں "وفاداری" کے ایک نئے باب کا آغاز ہو گیا اور آل رسولؐ کو نسلوں میں قتل و خون اور اذیت و آزار کی شکل میں اجر رسالت ملتا رہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی وفات کے بارے میں صفار نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپ بذریعہ شہادت دنیا سے رخصت ہوئے ہیں اور خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے آپ کو بکری کی ران میں زہر ملا کر دے دیا تھا جس کے کھانے کے بعد سے برابر آپ زہر کے اثر کی شکایت فرمایا کرتے تھے اور خود اس گوشت نے بھی باشارۂ قدرت آواز دی تھی کہ مجھے زہر میں بجھایا گیا ہے۔

اس روایت سے اتنا اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ آپ کو زہر دینے والی عورت یہودی تھی چاہے وہ کسی جماعت سے تعلق رکھتی ہو، ورنہ مسلمان کے زہر دینے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ زہر دینے میں عورت کا ہاتھ تھا ورنہ مرد اس طرح کے کاموں کی براہ راست جرأت نہیں کرتے ہیں۔ ایسے کاموں کے لیے عورت ہی کو ذریعہ بنایا جاتا ہے جیسا کہ بعد کی تاریخ عصمت سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

ازواج

رشتۂ زوجیت کے بارے میں ایک عام تصور یہ پایا جاتا ہے کہ یہ جنسی خواہش کی تسکین کا بہترین ذریعہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب بھی شادی کا تذکرہ آتا ہے ہر انسان شرم سے سر جھکا لیتا ہے اور جب تعدد ازواج کا ذکر آتا ہے تو انسان کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں شروع ہو جاتی ہیں کہ شائد یہ کوئی ہوس پرست اور خواہش زدہ انسان ہے کہ اس نے ایک زوجہ پر اکتفا نہیں کی اور متعدد ازواج کو اپنی تسکین نفس کا ذریعہ بنایا ہے، حالانکہ اسلامی قوانین کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں شادی کا تصور وسیع ترین مفادات کا حامل ہے اور اس میں تسکین نفس اور ایجاد نسل کے علاوہ بے شمار نفسیاتی، اقتصادی، سماجی اور سیاسی مسائل کا حل پایا جاتا ہے۔ عورت کو وجہ سکونِ نفس قرار دینے کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ صرف جنسی سکون کا ذریعہ ہے بلکہ اس کا دائرہ بھی بڑا وسیع تر ہے اور اسی لیے روایات میں عورت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ موجودگی میں شوہر کی تسکین نفس کا ذریعہ بنے اور غیبت میں اس کے گھر بار کی حفاظت کرے بلکہ اس کے دین کے تحفظ کا بھی ذریعہ بنے۔

اس اعتبار سے اسلام میں تعدّد ازواج اس انداز کا تصوّر نہیں رکھتا ہے جو تصور عام مادیت پرست ذہنوں میں پایا جاتا ہے اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ عقد جنسی خواہشات کی بنا پر ہوتا ہے تو عورت میں سن و سال اور حسن و جمال وغیرہ کا لحاظ کیا جاتا ہے اور وسیع تر مصالح اور مفادات کے لیے ہوتا ہے تو ان مفادات کو نگاہ میں رکھا جاتا ہے اور سن و سال اور حسن و جمال جیسے تصورات کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ جو بات سرکار دو عالمؐ کے تعدد ازواج میں واضح طور پر نظر آتی ہے اور اس کا ایک اشارہ اس حکم الٰہی میں بھی پایا جاتا ہے کہ اسلام نے ساری دنیائے انسانیت کے لیے نماز شب کو مستحب قرار دیا ہے اور حضور اکرمؐ کے لیے واجب قرار دے دیا ہے تاکہ ہر انسان کو اس حقیقت کا اندازہ ہو جائے کہ

بیتِ رسالت میں ازواج کا وجود نماز شب کی ادائیگی سے بھی مانع نہیں ہو سکتا ہے تو دیگر فرائض کا کیا ذکر ہے۔

سرکار دو عالمؐ نے اپنی پوری زندگی میں حسب ذیل عقد فرمائے ہیں، اور ان میں ازواج کی صورت حال یہ تھی:

۱۔ جناب خدیجہؓ: عام روایات کی بنا پر ان کا سن مبارک وقت عقد ۴۰ سال تھا اور حضور اکرمؐ کی عمر ۲۵ سال تھی۔ ظاہر ہے کہ عام حالات میں ۲۵ سال کا جوان انسان زندگی کی پہلی شادی ۴۰ سال کی خاتون سے نہیں کر سکتا ہے جب کہ اس کے لیے قوم اور قبیلہ کے اندر بے شمار امکانات موجود ہوں۔ عقد کی یہ نوعیت خود اس بات کی دلیل ہے کہ سرور دو عالمؐ کی شادی کا مقصد اسلام کی وسیع تر مصلحت تھی اور اس کا جنسی تسکین سے کوئی بنیادی تعلق نہیں تھا۔

اس عقد کے سلسلہ میں دو مزید باتیں بھی اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں:

۱۔ اس عقد کا پیغام خود جناب خدیجہ نے دیا تھا اور مہر کی پیش کش بھی انھوں نے کی تھی جب کہ وہ اس سے بڑے بڑے رشتوں سے انکار کر چکی تھیں اور اتنی عمر تک شادی کا کوئی قصد نہیں کیا تھا۔

۲۔ جناب خدیجہ کے پیغام کی بنیاد بھی سرکار کا حسن و جمال یا شباب و سن و سال نہیں تھا بلکہ انھوں نے بھی یہ پیغام آپ کی دیانت داری اور آپ کے دست مبارک سے ظاہر ہونے والے برکات کی بنا پر دیا تھا۔

۲۔ سودہ بنت زمعہ: یہ خاتون سکران بن عمرو بن عبد شمس کی زوجہ تھیں اور ابتدائی دور میں اسلام لائی تھیں۔ مکہ کے حالات کی بنا پر شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہیں شوہر کا انتقال ہو گیا، اب زحمت یہ تھی کہ قبیلہ میں واپس جائیں تو وہاں سب مشرک ہیں اور اپنا اسلام بھی خطرہ میں پڑ جائے گا لہٰذا حضور اکرمؐ نے ان سے عقد کر کے ان کے اسلام کا تحفظ بھی کیا اور مسلمانوں میں یہ شعور بھی بیدار کیا کہ شوہر کے فدیۂ اسلام بن جانے کے بعد زوجہ لاوارث نہیں رہ سکتی ہے بلکہ اسے پیغمبر اسلام جیسا شریکِ حیات مل سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تاریخ میں نہ سودہ کے کسی حسن و جمال کا تذکرہ ہے اور نہ مال و منال کا بلکہ شوہر کے بعد ان کی لاوارثی کا تذکرہ ضرور ملتا ہے۔

۳۔ زینب بنت خزیمہ: ان کا لقب ام المساکین تھا، غربا پروری میں خاصی شہرت

رکھتی تھیں۔ ان کے شوہر عبداللہ بن جحش جنگ احد میں مارے گئے تو حضورؐ نے از راہ ترحم ان سے عقد کر لیا تاکہ مسلمان عورتوں میں بے کسی اور لاوارثی کا احساس نہ پیدا ہونے پائے۔

۴۔ ام سلمہ ہند: یہ عبداللہ ابو سلمہ کی زوجہ تھیں اور کافی مُسن بھی تھیں اور صاحب اولاد بھی تھیں، لیکن بیوہ ہو جانے کے بعد سرکار دو عالمؐ نے ان سے عقد کر لیا تاکہ ان کے شوہر کی قربانیوں کی قدردانی کی جا سکے اور ان کی اولاد کو یتیمی کے احساس سے بچایا جا سکے۔

۵۔ صفیہ بنت حُیَیّ بن اخطب: ان کا شوہر روز خیبر قتل ہو گیا تھا، اور یہ گرفتار ہو کر آئی تھیں تو آپؐ نے انھیں آزاد کر کے ان سے عقد کر لیا تھا اور اس طرح کنیزوں کے ساتھ بہترین برتاؤ کی ایک مثال قائم کر دی تھی۔

۶۔ جویریہ بنت الحارث: یہ جنگ بنی المصطلق کے گرفتار شدگان میں تھیں اور ان کے ساتھ قبیلہ کے دو سو قیدی اور بھی تھے۔ لیکن جب حضورؐ نے انھیں آزاد کر کے ان سے عقد کر لیا تو سارے مسلمانوں نے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا اور ان کے قبیلہ کے بے شمار لوگ مسلمان ہو گئے، حارث بنی المصطلق کے سردار قبیلہ کا نام تھا۔

۷۔ میمونہ بنت الحارث الہلالیہ: انھوں نے شوہر کے مرنے کے بعد اپنے کو سرکار دو عالمؐ کے حوالے کر دیا تھا اور حضورؐ نے اس ہبۂ نفس کو قبول فرما لیا تھا۔

۸۔ ام حبیبہ رملہ بنت ابو سفیان: یہ عبیداللہ بن جحش کی زوجہ تھیں، اس کے ساتھ ہجرت حبشہ میں شریک ہوئیں۔ وہ وہاں کے حالات کو دیکھ کر عیسائی ہو گیا۔ تو آپؐ نے انھیں واپس بلا کر ان سے عقد کر لیا کہ ان کے لیے ابو سفیان جیسے باپ کے گھر واپس جانا بھی ممکن نہیں تھا۔

۹۔ حفصہ بنت عمر: ان کا شوہر خنیس بن حذافہ جنگ بدر میں مارا گیا تو آپؐ نے ان سے عقد کر لیا۔

۱۰۔ عائشہ بنت ابی بکر: مشہور روایات کی بنا پر باکرہ تھیں، اور شاید سرکار دو عالمؐ کی جملہ ازواج میں اس طرح کی کمسن اور کنواری خاتون یہ تنہا خاتون تھیں جن سے حضورؐ نے عقد نہ کیا ہوتا تو آپ پر کسی طرح کی حسن پرستی یا جنسیت کا الزام نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ مسلمان مورخین نے از راہ حماقت و نادان دوستی مسئلہ کو اور بھی سنگین بنا دیا اور جناب عائشہ کے حسن و جمال کی اس قدر تعریف کی کہ دشمنان اسلام کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ ۵۳ سال کا انسان اگر ۶۔۷ سال کی خوب صورت لڑکی سے عقد کرے گا تو

اس کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔ کاش مورخینِ اسلام نے ان نازک پہلوؤں کا احساس کیا ہوتا اور جوشِ عقیدت میں اس طرح کی بے بنیاد باتیں نہ بیان کی ہوتیں اور موصوفہ کے صحیح سن و سال اور خد و خال کا ذکر کر دیا ہوتا تو کم سے کم دشمنانِ اسلام کو سرکار دو عالمؐ کے کردار پر اعتراض کرنے کا موقع تو نہ ملتا۔ لیکن خدا برا کرے محبت کا کہ یہ اکثر انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔

اولاد

مشہور روایات کی بنا پر آپ کے تین فرزند تھے۔ (۱) قاسم (جن کی وجہ سے آپؐ کو ابوالقاسم کہا جاتا ہے)۔ (۲) عبداللہ جن کا لقب طیب و طاہر تھا (۳) ابراہیم جو جناب ماریہ قبطیہ کے فرزند تھے ـــ بعض مورخین نے طیب اور طاہر کو دو شمار کیا ہے۔

دختران میں ایک آپ کی اپنی دختر تھیں یعنی فاطمہ زہراؑ، اور تین لڑکیاں آپ کی پروردہ تھیں۔ جن کے بارے میں بعض مورخین کا خیال ہے کہ جناب خدیجہ کی بیٹیاں تھیں اور بعض کا خیال ہے کہ ان کی بہن ہالہ کی بیٹیاں تھیں۔ ام کلثوم، رقیہ، زینب۔

زینب کا عقد قبل بعثت ابو العاص بن ربیع اموی سے ہوا تھا جن سے جناب امامہ کی ولادت ہوئی تھی جو بعد میں حسب وصیت جناب فاطمہ زہراؑ مولائے کائنات کی زوجہ قرار پائیں۔

ام کلثوم اور رقیہ کا عقد عثمان بن عفان سے یکے بعد دیگرے ہوا، اور سب کا انتقال حضورؐ کی زندگی میں ہو گیا۔ رقیہ کا انتقال ۲ھ میں ہوا اور زینب کا انتقال ۸ھ میں ہوا، ام کلثوم کا انتقال بھی رقیہ کے قبل یا بعد ہو گیا تھا۔

جناب فاطمہؑ کا عقد ۲ھ میں مولائے کائنات حضرت علیؑ بن ابی طالب سے ہوا اور انھیں کی نسل میں امامت آج تک قائم ہے۔

ابراہیم ۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸ رجب ۱۰ھ کو ایک سال دس ماہ آٹھ روز کی عمر میں انتقال کر گئے۔ ان کی قبر جنت البقیع میں موجود اور مشہور ہے۔

ابراہیم کو رسول اکرمؐ نے اپنے نواسے امام حسینؑ کا فدیہ بنا دیا تھا جب جبرئیل امین نے یہ پیغام الٰہی پہونچایا کہ آپ اپنے پاس یا حسین کو رکھیں یا ابراہیم کو، اور آپؐ نے فرمایا کہ ابراہیم کا صدمہ میری ذات

تک محدود رہے گا اور حسینؑ کا صدمہ علیؑ و فاطمہؑ کو بھی ہوگا لہذا میں ابراہیم کو حسینؑ پر قربان کرنے کے لیے تیار ہوں اور یہ بھی ایک راز تھا کہ رسول اکرمؐ نے اپنے فرزند کو فرزند زہراؑ و علیؑ پر قربان کر دیا اور زہراؑ و علیؑ نے اپنے پورے گھرانے کو دین پیغمبرؐ پر قربان کر دیا اور تاریخ میں یہ قربانی ابدی اور سرمدی حیثیت اختیار کر گئی۔

اقرباء

شیخ طبرسیؒ وغیرہ کی روایت کی بنا پر جناب عبدالمطلب کی اولاد میں آپ کے ۱۰ چچا تھے۔ حارث، زبیر، ابوطالب، حمزہ، غیذاق، ضرار، مقوم، ابولہب، عباس۔

حارث ان میں سب سے بڑے تھے اور اسی لیے آپ کو ابوالحارث کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

حارث کی اولاد میں ابوسفیان، مغیرہ، نوفل، ربیعہ اور عبدشمس تھے۔

نوفل کے فرزند مغیرہ بن نوفل تھے جنھوں نے ابن ملجم کو فرار کرتے ہوئے کوفہ میں گرفتار کیا تھا اور امیرالمومنینؑ کے بعد امامہ بنت العاص سے عقد بھی کیا تھا۔

ربیعہ کے فرزند عباس بن ربیعہ تھے جن کی شجاعت میدانِ صفین میں دیکھنے میں آئی تھی۔

جناب ابوطالب اور عبداللہ و زبیر آپس میں حقیقی بھائی تھے اور ان سب کی والدہ گرامی جناب فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم تھیں۔ ابوطالب کا نام عبد مناف بھی تھا، اور ان کے چار فرزند تھے۔ عقیل، طالب، جعفر، علیؑ۔ اور ہر ایک کے درمیان دس سال کا فاصلہ تھا۔ آپ کی دو بیٹیاں بھی تھیں، ام ہانی فاختہ اور جمانہ اور ان سب کی والدہ گرامی جناب فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھیں۔ جناب ابوطالب کا مشہور نام عمران ہے جس کی بنا پر آل ابوطالب کو آل عمران بھی کہا جاتا ہے۔

جمانہ ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب کی زوجہ تھیں اور ام ہانی ابو وہب ہبیرہ بن عمرو مخزومی کی زوجہ تھیں جن کے فرزند جعدہ بن ہبیرہ خراسان میں حضرت علیؑ کی طرف سے حاکم تھے۔

عباس کی کنیت ابوالفضل تھی اور ان کی ماں کا نام ضرار تھا۔ ان کے ۹ فرزند اور تین دختر تھیں۔ عبداللہ، عبیداللہ، فضل، قثم، معبد، عبدالرحمان، تمام، کثیر، حارث، ام حبیب، آمنہ، صفیہ۔ ام حبیب اور ابتدائی ۶ بھائیوں کی ماں ام الفضل لبابہ بنت الحارث تھیں جو میمونہ بنت الحارث زوجہ پیغمبرؐ کی بہن تھیں۔

ابولہب کے فرزند عتبہ، عتیبہ، معتب اور دُرّہ تھے جن کی ماں ام جمیل خواہر ابوسفیان تھی جسے قرآن مجید نے حمالۃ الحطب کے نام سے یاد کیا ہے۔

عماتِ رسولؐ

اعمام کے علاوہ رسول اکرمؐ کی چھ عمات بھی تھیں جن کی مائیں مختلف تھیں۔ اُمیمہ، ام حکیم، بَرّہ، عاتکہ، صفیہ، اروی۔

اُمیمہ جنھیں فاطمہ بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی ایک دختر زینب تھی جس کا عقد زید بن حارثہ سے ہوا تھا، اور ان کے طلاق دے دینے کے بعد حضور نے عقد کر لیا تھا۔

برہ بنت عبدالمطلب کا دوسرا عقد عبداللہ سلمہ بن ہلال سے ہوا تھا، جن سے ابوسلمہ کی ولادت ہوئی جو جناب ام سلمہ کے شوہر قرار پائے اور ان کے انتقال کے بعد رسول اکرمؐ نے اُن سے عقد فرمایا۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب عمیر بن وہب کی زوجہ تھیں، اور ان کے بعد کلادہ بن عبد مناف سے عقد کر لیا تھا۔

صفیہ حارث بن حرب بن امیہ کی زوجہ تھیں۔ حارث کے بعد عوام بن خویلد (جناب خدیجہ کے بھائی) سے عقد کیا جس سے زبیر کی ولادت ہوئی۔

روایات میں وارد ہوا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے وقت تمام بیٹیاں زندہ تھیں اور آپ نے سب سے لاش پر گریہ کرنے کی وصیت کی تھی بلکہ اپنے سامنے سب سے مرثیہ بھی سن لیا تھا کہ کون بیٹی کس طرح گریہ کرے گی اور اس کا مرثیہ کن مضامین کا حامل ہوگا۔

اعمام پیغمبرؐ میں سب سے اہم مرتبہ جناب ابوطالب اور جناب حمزہ کا ہے جن کے ایمان و کردار اور مجاہدات کے واقعات سے تاریخ اسلام بھری ہوئی ہے۔

جناب ابوطالبؑ محافظ پیغمبرؐ، صاحب فضائل و کمالات، محافظ حرم، امانت دار آثار انبیاء و اولیاء تھے اور جناب حمزہ بہترین شجاع و بہادر تھے۔ جنگ احد میں شہید ہوئے تو رسول اکرمؐ نے ان کے جنازہ پر ستر تکبیریں کہیں۔

اولاد جناب ابوطالبؑ میں مولائے کائنات کے علاوہ جناب جعفر بھی عظیم مرتبہ کے مالک تھے۔

ہجرت حبشہ میں سربراہ قافلہ کی حیثیت سے گئے اور فتح خیبر کے موقع پر واپس آئے تو رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ میں کس چیز کی زیادہ خوشی مناؤں، جعفر کے واپس آنے کی یا خیبر کے فتح ہو جانے کی جناب جعفر جنگ موتہ میں شریک ہوئے اور دونوں ہاتھ کٹا کر شہید ہو گئے جس کے عوض میں پروردگار عالم نے جنت میں بال و پر عنایت کر دیے اور ملائکہ مقربین کے ساتھ سایۂ رحمت الٰہی میں پرواز کر رہے ہیں۔

جناب عقیل بھی ایک عظیم مرتبہ کے مالک تھے اور رسول اکرمؐ ان سے بے پناہ محبت فرماتے تھے، یہاں تک کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے عقیل سے دُہری محبت ہے، ایک ان کے ذاتی اوصاف کی بنا پر، اور ایک جناب ابوطالب کے ان سے غیر معمولی طور پر محبت کرنے کی بنا پر!

اصحاب رسول اکرمؐ

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مالک کائنات نے سرکار دو عالمؐ کو ایسے اہلبیتؑ عنایت فرمائے تھے جس کی نظیر انبیاء و مرسلین کی تاریخ میں بھی کہیں نظر نہیں آتی ہے اور ان سب کو زیورِ عصمت سے آراستہ کر کے آیۂ تطہیر کا مصداق قرار دے دیا تھا لیکن اس کے باوجود ان کے کردار کو تربیتِ رسولؐ کا شاہکار نہیں قرار دیا جا سکتا ہے کہ یہ حضرات اپنی عصمت و طہارت کی بنا پر اُس طرح کی تربیت کے محتاج نہیں تھے جس طرح کی تربیت ایک مربی کا شاہکار شمار کی جاتی ہے۔ ضرورت تھی کہ کچھ ایسے افراد بھی ہوتے جو خانوادۂ عصمت و طہارت سے الگ عام انسانوں جیسے ہوتے اور سرکار دو عالمؐ ان کی علمی اور عملی تربیت کر کے انھیں اپنے خدمات کا شاہکار قرار دیدیتے۔ صحابۂ کرام انھیں افراد اور انھیں ہستیوں کا نام ہے جنھیں سرکار دو عالمؐ نے خاک سے پاک بنایا ہے اور جن کے کردار پر سرکار کی مکمل تربیت کی چھاپ پائی جاتی ہے۔ ان کے تذکرہ کے بغیر سرکار کے خدمات کا تذکرہ نامکمل رہ جاتا ہے اور ان کی فہرست میں بھی صرف انھیں افراد کا نام شامل کیا جا سکتا ہے جن کا کردار سرکار کا شاہکار بننے کے قابل ہو ورنہ جن افراد نے اپنے ذاتی اغراض و مفادات کے لیے اسلام قبول کر لیا تھا یا سرکار کی خدمت میں حاضر ہو گئے تھے ان کا نام اس فہرست میں شامل نہیں کیا جا سکتا ہے چاہے انھیں صحابیت کے خطاب سے سرفراز کر دیا جائے۔ ذیل میں قابلِ ذکر شخصیتوں میں سے صرف چند افراد کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ جن کے علاوہ دیگر افراد بھی اس فہرست میں شامل ہو سکتے

ہیں لیکن وہ ایک لاکھ چودہ ہزار افراد بہر حال شامل نہیں ہو سکتے ہیں جنھیں صحابہ کرام میں شامل کیا جاتا ہے ــــ اور جن میں سے بعض کا کردار ننگِ اسلام بلکہ ننگِ انسانیت تھا اور ان کا تذکرہ بھی رسول اکرمؐ کے ساتھ مناسب نہیں ہے، سرکار کے نیک کردار اصحاب کرام میں نمایاں کردار کے مالک درج ذیل حضرات ہیں:

سلمانؓ

یہ اصلاً فارس کے رہنے والے تھے اور فارسی کہے جاتے تھے لیکن رسول اکرمؐ نے انھیں اپنے اہلبیت میں شامل کر کے انھیں سلمان محمدی بنا دیا اور ان کے بارے میں حضرتؐ کا ارشاد تھا کہ "سلمان ایک خشک نہ ہونے والا سمندر اور ختم نہ ہونے والا خزانہ ہے۔ یہ ہم اہلبیت میں سے ہے اسے برہان عطا کیا گیا ہے اور یہ نور حکمت کا عطا کرنے والا ہے۔ امیر المومنینؑ نے انھیں مثیل جناب لقمان حکیم اور صادق آل محمدؑ نے انھیں لقمان حکیم سے افضل قرار دیا ہے بلکہ بعض روایات میں انھیں صاحب اسم اعظم اور محدَّث قرار دیا گیا جنھیں ملائکہ سے بات کرنے کا بھی شرف حاصل تھا۔ رسول اکرمؐ کو جن چار افراد سے محبت کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور جنت جن چار افراد کی مشتاق تھی ان میں سلمان کا نام بھی شامل تھا۔ ایک مرتبہ عمر بن الخطاب نے سلمان سے ان کا حسب و نسب دریافت کیا تو فرمایا کہ میں گمراہ تھا رسول اکرمؐ نے مجھے ہدایت دی، نادار تھا پروردگار نے ان کے ذریعہ غنی بنا دیا، غلام تھا معبود نے ان کے ذریعہ آزاد کرا دیا، یہی ہے میرا حسب و نسب۔ یعنی اب میرا کوئی رشتہ سرکار دو عالمؐ کے علاوہ کسی شخص سے نہیں ہے۔

جنگ خندق میں خندق کھودنے کا مشورہ سلمان ہی نے دیا تھا۔

۳۶ھ میں مدائن میں انتقال فرمایا۔ امیر المومنینؑ نے راتوں رات مدینہ سے مدائن تشریف لا کر غسل و کفن دیا۔ نماز جنازہ میں جعفر طیار اور جناب خضر بھی شریک ہوئے اور ہزاروں ملائکہ نے نماز جنازہ ادا کی۔

ابوذر

جُندب بن جُنادہ نام تھا۔ ابوذر کنیت تھی۔ تیسرے، چوتھے یا پانچویں مسلمان تھے۔ اسلام لانے کے بعد اپنے علاقہ میں واپس چلے گئے تھے اور اسی لیے بدر و احد و خندق میں شریک نہیں ہوسکے تھے۔ سلمان محمدی کے بعد دوسرے درجہ کے صاحب ایمان تھے۔ رسول اکرمؐ نے انھیں اپنی امت میں شبیہ عیسیٰ بن مریم قرار دیا تھا اور زیر آسمان بالائے زمین ہر شخص سے زیادہ سچا قرار دیا تھا۔ علیؑ، سلمانؓ، مقدادؓ، ابوذر جن افراد کی محبت کا رسول اکرمؐ کو حکم دیا گیا تھا اور جن کی جنت مشتاق تھی۔ ان میں ابوذر کا بھی شمار تھا۔ خلافت دوم کے دَور میں شام چلے گئے تھے۔ خلافت سوم تک وہیں رہے اور مسلسل معاویہ کی قیصریت اور کسرویت پر تنقید کرتے رہے، یہاں تک کہ اس نے عثمانؓ کے پاس شکایت لکھ بھیجی اور انھوں نے مدینہ طلب کرلیا۔ معاویہ نے حسب الحکم ایسے اونٹ پر اور ایسے رہنما کے ساتھ مدینہ روانہ کیا کہ مدینہ پہونچتے پہونچتے پنڈلیوں کا گوشت تک جُدا ہوگیا۔ یہاں آکر عثمانؓ کے طرزِ عمل پر بھی تنقید کی جس کے نتیجہ میں ربذہ کی طرف شہر بدر کردیے گئے اور اعلان ہوگیا کہ کوئی رخصت کرنے کے لیے بھی نہ جائے۔ لیکن امیرالمومنینؑ نے اپنے فرزندوں کے ساتھ ابوذر کے الوداع میں شرکت کی اور ابوذر اس عالم میں ربذہ پہونچے کہ راستہ میں فرزند ذر کا انتقال ہوگیا۔ ربذہ پہونچکر زوجہ نے ساتھ چھوڑ دیا اور بالآخر خود بھی انتقال فرما گئے۔ ایک دختر ساتھ تھی اس نے سرِ راہ کھڑے ہوکر آنے والے قافلہ کو باخبر کیا۔ سردار قافلہ مالک اشتر نے تجہیز و تکفین کی۔ عبداللہ بن مسعود نے نماز جنازہ پڑھائی اور ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں رسول اکرمؐ کا یہ محترم اور صادق اللہجہ صحابی سپرد خاک کردیا گیا۔ مالک اشتر کے بیان کے مطابق ابوذر کو چار ہزار درہم کا قیمتی کفن دیا گیا اور اس طرح رسول اکرمؐ کی یہ پیشین گوئی بھی صحیح ثابت ہوئی۔

مقداد بن الاسود

ابو مَعبد کنیت تھی۔ باپ کا اصلی نام عمرو تھا لیکن چونکہ اسود بن عبد یغوث نے فرزند بنالیا تھا اس لیے ابن الاسود کے نام سے مشہور ہوگئے۔ ان کا شمار بھی ان افراد میں ہوتا ہے جن کی محبت کا رسول اکرمؐ کو حکم دیا گیا تھا اور جن کے اشتیاق میں جنت تڑپ رہی تھی۔ ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب آپ کی زوجہ تھیں اور رسول اکرمؐ کے ساتھ تمام غزوات میں شرکت کی ہے۔

۳۳ھ میں مدینہ سے ایک فرسخ دور جرف میں انتقال کیا اور جنازہ جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ان کا فرزند معبد مثل پسرِ نوح ثابت ہوا اور جنگ جمل میں امیرالمومنینؑ کے مقابلہ میں لشکر عائشہ میں شامل ہوگیا اور بالآخر قتل کیا گیا جب کہ مقداد نے امیرالمومنینؑ کی حقانیت اور عظمت میں کبھی شک بھی نہیں کیا تھا۔

بلال بن رباح

ان کی کنیت ابوعبداللہ اور ابوعمرو تھی۔ ماں کا نام حُمامہ تھا۔ بدر و احد و خندق وغیرہ میں شرکت کی ہے۔ رسول اکرمؐ نے موذن قرار دیا تو لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ شین کو سین کہتے ہیں، تو ارشاد قدرت ہوا کہ ہماری نظر میں بلال کی سین بھی شین ہی ہے۔ رسول اکرمؐ کے بعد کسی کی نماز کے لیے اذان نہ کہنے کا عہد کرلیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حی علیٰ خیر العمل متروک ہوگیا۔ شام میں ۱۸ھ یا ۲۰ھ میں انتقال کیا اور باب الصغیر میں دفن ہوئے۔

جابر بن عبداللہ الانصاری

اصحاب بدر میں شمار ہوتے تھے۔ رسول اکرمؐ نے ان کے ذریعہ امام باقرؑ تک سلام پہونچایا تھا۔ اکثر غزوات میں رسول اکرمؐ کے ساتھ شرکت کی اور صفین میں امیرالمومنینؑ کی رکاب میں رہے۔ مدینہ کی گلیوں میں اس حدیث مبارک کا اعلان کرتے رہتے تھے کہ،

"عَلِیٌّ خَیْرُ الْبَشَرِ مَنْ أَبیٰ فَقَدْ کَفَرَ"

(علی خیر البشر ہیں، جو اس کا منکر ہوجائے وہ کافر ہے)

نیز یہ بھی کہا کرتے تھے کہ "اپنے بچوں کو محبت علیؑ کے ذریعہ آزماؤ اور انکار کردیں تو ان کی ماں کے کردار کا جائزہ لو"۔

۷۸ھ میں ۹۰ سال سے زیادہ کی عمر میں انتقال فرمایا، اور یہ مدینہ کے آخری صحابی تھے

جنھوں نے سب سے آخر میں دار دنیا سے رحلت کی ہے۔

حذیفہ بن الیمان العنسی

رسول اکرمؐ اور امیرالمومنینؑ کے مخلص اصحاب میں شمار ہوتے تھے۔ جنگ احد میں اپنے والد اور بھائی کے ساتھ شریک ہوئے اور ان کے والد وہیں شہید ہو گئے۔ رسول اکرمؐ نے انھیں منافقین کے نام بتا دیے تھے لہذا جس کے جنازہ میں شرکت نہیں کرتے تھے لوگ اس کے منافق ہونے کا فیصلہ کر لیتے تھے۔ جناب سلمان کے بعد مدائن کے والی قرار پائے اور جنگ جمل سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ حذیفہ کا شمار ان سات افراد میں ہوتا ہے جنھوں نے صدیقہ طاہرہؑ کی نماز جنازہ میں شرکت کی ہے۔

ابو ایوب انصاری

خالد بن زید نام تھا۔ بدر اور دیگر معرکوں میں شریک رہے ہیں۔ رسول اکرمؐ کے بعد امیرالمومنینؑ کے ساتھ جمل و صفین و نہروان میں شرکت کی ہے۔ رسول اکرمؐ نے ہجرت کے بعد انھیں کے مکان میں قیام فرمایا تھا اور انھوں نے بہترین خدمات انجام دی تھیں۔ صفین میں معاویہ کے خیمہ پر حملہ کر دیا تھا لیکن وہ فرار ہو گیا۔ اس کے بعد معاویہ کی طرف سے سترع بن منصور نے حضرت علیؑ کے خیمہ پر حملہ کیا تو ابو ایوب نے ایسا وار کیا کہ سر کٹ گیا۔ لیکن ظالم پشت فرس پر باقی رہا یہاں تک کہ جب گھوڑے نے سکندری کھائی تو سر الگ دکھائی دیا اور جسم الگ۔

معاویہ ہی کے زمانے میں روم کی جنگ میں شرکت کے لیے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔ وقت آخر وصیت کی کہ میدان کارزار ہی میں دفن کیا جائے، چنانچہ استنبول کے قریب دفن کیے گئے لیکن جنگ کے خاتمہ کے بعد رومیوں نے قبر کو کھودنے کا ارادہ کیا تو اس قدر بارش ہوئی کہ اسے حضرت ابو ایوب کی کرامت قرار دے کر اس ارادہ سے باز آ گئے اور ان کی قبر مرجع خلائق بن گئی۔ رسول اکرمؐ نے بھی اپنے اصحاب میں ایک مرد صالح کے قسطنطنیہ کے قریب

دفن ہونے کی خبر دی تھی۔

خزیمہ بن ثابت انصاری

رسول اکرمؐ نے ان کی گواہی کو دو آدمیوں کے برابر قرار دیا تھا اس لیے انھیں ذوالشہادتین کہا جاتا تھا۔ بدر اور دیگر معرکوں میں شرکت کی ہے اور اس کے بعد مولائے کائنات کی رکاب میں رہے یہاں تک کہ صفین میں عمار یاسر کی شہادت کے بعد فوج دشمن پر زبردست حملہ کیا اور اس کے نتیجہ میں شہید کر دیے گئے۔ امیرالمومنینؑ نے زندگی کے آخری دور کے خطبہ میں جن اصحاب کو یاد فرمایا تھا ان میں عمار، ابن التیہان اور ذوالشہادتین کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے۔

زید بن حارثہ بن شراحیل الکلبی

حکیم بن حزام نے بازار عکاظ سے جناب خدیجہ کے لیے خریدا اور انھوں نے رسول اکرمؐ کو بخش دیا۔ حارثہ آزاد کرانے کے لیے آیا تو ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور رسول اکرمؐ کی غلامی کو آزادی پر ترجیح دی جس پر حارثہ نے اپنی ولدیت سے خارج کر دیا اور رسول اکرمؐ نے انھیں اپنا فرزند قرار دے دیا۔ اور پھر اپنی رشتہ کی بہن زینب بنت جحش سے عقد بھی کر دیا۔

جناب جعفر طیار کے ساتھ جنگ موتہ میں بحیثیت علم دار لشکر شرکت کی اور وہیں شہید ہو گئے۔ آپ کے فرزند کا نام اُسامہ تھا اسی لیے آپ کو ابو اسامہ کہتے ہیں۔

سعد بن عبادہ بن دُلیم بن حارثہ الخزرجی الانصاری

بیعت عقبہ اور جنگ بدر میں شرکت کی ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر انصار کا پرچم انھیں کے ہاتھوں میں تھا۔ باپ دادا سے عرب کے مشہور سخی افراد میں شمار ہوتا تھا۔ سقیفہ کے موقع پر انصار نے انھیں کو امیر بنانا چاہا تھا لیکن اتنا ہنگامہ ہوا کہ غریب پامال ہوتے ہوتے بچے اور عمر نے ان کے قتل کا حکم دے دیا، جس پر ان کے فرزند قیس نے عمر کا گریبان پکڑ لیا اور سعد زندہ واپس آ گئے۔ لیکن بیعت ابوبکر سے برابر انکار کرتے رہے یہاں تک کہ عمر کے دور خلافت میں شام چلے گئے۔ اور وہاں

برابر ہر ہفتہ اپنے قبائل سے ملاقات کے لیے جایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ سرکاری ایجنٹوں نے راستہ میں تیر مار کر شہید کر دیا اور یہ مشہور کر دیا گیا کہ انھیں جنّات نے قتل کیا ہے۔

ابو دجانہ انصاری

بزرگ اور بہادر اصحاب میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا حرز مشہور ہے۔ جنگ یمامہ میں شریک ہوئے اور جب مسیلمہ کذّاب کے ساتھیوں نے حدیقۃ الرحمان میں پناہ لی تو مخصوص فنّی طریقہ سے باغ میں داخل ہو گئے اور بہت سے لوگوں کو تہ تیغ کر دیا یہاں تک کہ خود بھی شہید کر دیے گئے اور بروایتے جنگ صفین تک زندہ رہے اور امیرالمومنینؑ کے ساتھ شریک معرکہ رہے۔ بہر حال ظہور کوفہ سے جن ۲۷ افراد کے اصحاب امام عصرؑ میں ہونے کا تذکرہ ہے۔ ان میں ابو دجانہ کا نام بھی پایا جاتا ہے کہ انھوں نے سخت ترین اوقات میں رسول اکرمؐ کا ساتھ دیا ہے جب صحابہ کی اکثریت ساتھ چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

عمار بن یاسر

رسول اکرمؐ کے عظیم ترین صحابی اور مولائے کائنات کے فدائیوں میں تھے۔ بنی مخزوم کے حلیف تھے اور ابوالیقظان کنیت تھی۔ باپ کا نام یاسر اور ماں کا نام سُمیّہ تھا۔ ابتدائی دَور میں اسلام لائے اور اسلام کی خاطر بے حد مصائب کا سامنا کیا، یہاں تک کہ کفار ان تمام حضرات کو دوپہر کے وقت گرم ریت پر لٹا دیا کرتے تھے اور اسلام سے انحراف کی دعوت دیا کرتے تھے لیکن ان حضرات نے استقامت و استقلال کا مظاہرہ کیا اور حضور اکرمؐ نے آلِ یاسر کو جنت کی بشارت دی۔ ماں باپ انھیں اذیتوں کی تاب نہ لاکر دنیا سے رخصت ہو گئے اور عمّار نے مجبوراً کفار کی مرضی کے مطابق الفاظ زبان پر جاری کر دیے جس کی بنا پر آیت تقیہ نازل ہو گئی اور پروردگار عالم نے ان کے ایمان اور اطمینانِ قلب کا اعلان فرما دیا۔ جناب عمّار کی والدہ سُمیّہ اسلام کی پہلی شہید خاتون ہیں۔ عمّار کے بارے میں رسول اکرمؐ کی پیشین گوئی تھی کہ انھیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا اور زندگی کی آخری غذا کاسۂ شیر ہو گی۔ چنانچہ ۹ صفر ۳۷ھ کو جنگ صفین میں ۹۰ سال کی عمر میں شہید کیے گئے اور آخری وقت میں کاسۂ شیر نوش فرما کر سرکار دو عالمؐ کی پیشین گوئی کا حوالہ دیا اور جان راہ خدا میں قربان کر کے باغی گروہ کا راز فاش کر دیا۔

مالک بن نُوَیرہ الحنفی الیربوعی

سرکار دو عالمؐ کے مخلص ترین اصحاب میں تھے۔ اپنے قبیلہ کے ساتھ رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم لوگوں کو ایمان کی تعلیم دیجیے تو آپؐ نے فرمایا کہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ کا اقرار کرو، نماز قائم کرو، روزہ رکھو، زکوٰۃ ادا کرو، حج بیت اللّٰہ بجالاؤ اور میرے وصی علی بن ابی طالب سے محبت رکھو، اس کے علاوہ محرمات سے پرہیز کرنا بھی ضروری ہے۔ حضرت کے اس ارشاد کے بعد مالک بزم سے باہر آئے تو نہایت ہی مسرت کے عالم میں اعلان کر رہے تھے کہ میں نے ایمان رسول اکرمؐ سے حاصل کیا ہے اور حضرت نے فرمایا کہ جو اہل جنت میں سے کسی شخص کو دیکھنا چاہے وہ مالک کو دیکھے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے مالک کا تعاقب کیا اور ان سے استغفار کی خواہش کی کہ رسول اکرمؐ نے آپ کو اہل جنّت میں قرار دیا ہے تو مالک نے کہا کہ خدا تمھیں نیک ہدایت دے۔ رسول اکرمؐ کو چھوڑ کر میرے پاس استغفار کے لیے آئے ہو جب کہ وہ مالک و مختار جنت ہیں۔

رسولِ اکرمؐ کے بعد مدینہ آئے اور ابوبکرؓ کو منبر پر دیکھا تو ٹوک دیا کہ علیؑ کے ہوتے ہوئے تمھیں یہ حق کس نے دیا ہے؟۔ انھوں نے حکم دے دیا کہ انھیں باہر نکال دیا جائے، اور خالد بن ولید اور قنفذ جیسے افراد نے مار کر باہر نکال دیا۔ مالک نے طے کر لیا کہ ابوبکرؓ کو مالِ زکوٰۃ نہ دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں مُرتد قرار دے دیا گیا اور خالد بن ولید کے ذریعہ انھیں اور ان کی قوم کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ خالد نے تمام عورتوں کو قیدی بنا لیا اور مالک کی زوجہ سے اسی شب ہم بستری بھی کی جس کے طفیل میں سیف اللّٰہ کا لقب حاصل کر لیا اور یہ طے پا گیا کہ یہ "شمشیر برہنہ" غلاف میں نہیں رکھی جا سکتی ہے۔

وعلی الاسلام بعدہ السلام۔

حیاتِ مرسلِ اعظمؐ کے امتیازی خطوط

ایک شب کا ذکر کیا اے جانے والے عرش پر
تیری ساری زندگی معراج ہی معراج ہے

یوں تو سرکار دو عالمؐ کی حیاتِ طیبہ کے حالات و اطوار کا قیاس دوسرے بنی نوع انسان کے عادات و اطوار پر کیا جائے تو سرکار کا ہر عمل ایک امتیازی صفت کا حامل ہوگا اور آپ کی زندگی میں کھانے پینے اور سونے جاگنے سے لے کر تبلیغ اسلام و قرآن تک ہر نکتہ قابلِ توجہ اور جاذبِ نظر ہوگا لیکن خصوصیت کے ساتھ مالک کائنات نے آپ کو چند ایسے خصوصیات کا حامل بنایا ہے جن میں آپ کا قیاس انبیاء و مرسلین اور شہداء و صدیقین پر بھی نہیں کیا جاسکتا ہے، اور انھیں خصوصیات و امتیازات کو دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ "ہر کسے را بہر کارے ساختند" کے اصول کے مطابق رب العالمین نے آپ کو کائنات کے عظیم ترین مقصد کی تکمیل کے لیے بھیجا تھا اور ایسے مقصد کی تکمیل کے لیے بعثت و ارسال کا مقصد ہی یہ تھا کہ ان تمام اسلحوں سے مسلح کر کے بھیجا جائے جو علمی یا عملی میدان میں دفاع دین و مذہب کے لیے ضروری ہوں اور ان تمام فضائل و کمالات سے مزین کر دیا جائے جن کے بغیر شخصیت کا اعتراف اور کمالات سے استفادہ ممکن نہیں ہوتا ہے اور شخصیت ہزار شکوک و شبہات کا ہدف بن جاتی ہے۔

مرسلِ اعظمؐ کے ان امتیازی نشانات کی دو قسمیں ہیں، بعض کا تعلق آپ کی ذاتِ اقدس اور اس کے کردار و اطوار اور رفتار و گفتار سے ہے اور بعض کا تعلق آپ کے وجود مقدس اور اس کے ماحول یا اضافی حالات سے ہے جو شخصیت کے عملی امتیاز کا نتیجہ نہیں ہیں۔ لیکن شخصیت کی عظمت کا ذریعہ ضرور ہیں اور ان سے کمالات کی جامعیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

کسی ایک کتاب میں آپ کے جملہ امتیازات کا جمع کر دینا تقریباً ناممکنات میں ہے اور پھر جس نے اپنی زندگی میں ہہ ہہ ہہ ہہ معجزات پیش کیے ہوں اور ہزاروں خارق عادات امور کا مظاہرہ کیا ہو اس کے امتیازات کی فہرست کے لیے بھی مفصل کتاب کی ضرورت ہے۔ تشریح و توضیح کا مرحلہ تو بعد میں شروع ہوتا ہے۔ ذیل میں صرف چند امتیازات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تاکہ ایک اجمالی خاکہ نظر میں آجائے اور تفصیلات و تشریحات کے بارے میں غور کرنا یا لکھنا پڑھنا آسان ہوجائے۔

ولادت

مشہور و معروف بات ہے کہ سرکار دو عالمؐ کی ولادت باسعادت ۱۷ ربیع الاول سنہ ۱ عام الفیل میں ہوئی ہے اور عام الفیل اسلامی تاریخ میں اس سال کو کہا جاتا ہے جب ابرہۃ الاشرم نے خانۂ خدا کو منہدم کر کے اپنے خود ساختہ "قبلہ و کعبہ" کو واقعی کعبہ بنانے کا عہد کر لیا تھا اور اس عظیم کام کے لیے ایک سُپر پاور ہاتھیوں کے لشکر کا بھی انتظام کر لیا تھا جس کی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ اہل مکہ گھر چھوڑ کر بھاگ گئے اور خانۂ خدا کا جوار بھی انھیں وحشت و دہشت سے محفوظ نہ رکھ سکا، صرف ایک حضرت عبدالمطلبؓ (رسول اکرمؐ کے جد بزرگوار) تھے جنھوں نے اس سنگین ترین صورت حال میں بھی خانۂ کعبہ کا دفاع کیا اور بھاگنے کے بجائے ابرہہ کے سامنے پہونچ گئے۔ ابرہہ ان کی اس جرأت و ہمت اور عزم و حوصلہ کو دیکھ کر دنگ رہ گیا اور مصالحت کی پالیسی پر اُتر آیا۔ عبدالمطلب کا احترام کیا اور انھیں عزت کے ساتھ بٹھاتے ہوئے آنے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ تیرے لشکر والوں نے میرے اونٹ پکڑ لیے ہیں، میں ان کا مطالبہ کرنے آیا ہوں۔

عبدالمطلبؓ کے مقابلہ کا انداز اتنا عجیب و غریب تھا کہ ابرہہ نے گھبرا کر اس حقیقت کو زبان پر جاری کر دیا جس کے بغیر عبدالمطلبؓ کا استدلال آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ اس نے کہا کہ مجھے سخت حیرت ہے کہ تمھیں اپنے اونٹوں کی فکر ہے اور جس گھر کے متولی اور محافظ ہو اس کی فکر نہیں ہے۔

عبدالمطلبؓ نے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ فرمایا بلکہ چیلنج کیا کہ جس طرح میں ان اونٹوں کا مالک ہوں اس گھر کا بھی کوئی مالک ہے جو اسے بچالے گا، اور اس طرح ایک بہترین مبلغ کی حیثیت سے ابرہہ کو عظمت الٰہی کی طرف بھی متوجہ کیا اور انجام کار سے بھی آگاہ کر دیا جو ہر مبلغ کا مرتع طریقۂ کار

ہونا چاہیے کہ قوم کو ابتداء اور انتہا، مبدا اور معاد سے باخبر رکھے کہ باقی مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

ابرہہ اس نکتہ کو نہ سمجھ سکا اور بالآخر حملہ کا قصد کر لیا۔ رب العزت نے اس قدر سپر پاور کے مقابلہ میں ایک ابابیل کا لشکر بھیج دیا جس نے ابرہہ کے سارے لشکر کا خاتمہ کر دیا اور اس کا اعلان اس انداز سے کیا کہ:

۱۔ ہمارے پاس ایک غیبی لشکر بھی رہتا ہے۔

۲۔ ہم سپر پاور (SUPER POWER) کا مقابلہ لشکروں سے نہیں بلکہ کنکریوں سے کیا کرتے ہیں۔

۳۔ ہمارا کام آخری مرحلہ تک اتمام حجت ہوتا ہے اور اس کے بعد عذاب نازل کرتے ہیں۔

۴۔ ہمارے بھیجے ہوئے ابابیل اور پرندہ بھی خطاکار نہیں ہو سکتے ہیں کہ کسی بے گناہ پر کنکر پھینک کر چلے آئیں۔

۵۔ ہمارے مخلصین کا فرض ہے کہ ہماری امداد پر اعتماد رکھیں اور فرار کے بجائے مقابلہ کا راستہ اختیار کریں۔

تاریخ عرب میں اس واقعہ کو 'واقعہ اصحاب الفیل' اور اس سال کو عام الفیل کہا جاتا ہے جس کا مفہوم ہی یہ ہے کہ خانۂ خدا پر وارد ہونے والے لمحاتی مصائب نے سال کو عام الفیل بنا دیا جس طرح کہ اسلام میں وفات خدیجہؑ و ابوطالبؑ سے مرسل اعظمؐ پر وارد ہونے والے صدمے نے اس سال کو عام الحزن بنا دیا۔ اور تاریخ میں ایک مثال قائم ہو گئی کہ محدود مدت کا غم بھی پورے سال کو عام الحزن بنا سکتا ہے اگر غم اسی قدر اہمیت کا حامل ہو، دس پانچ دن کے ایام غم بن جانے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔

عام الفیل میں سرکار دو عالمؐ کی ولادت اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ اب کسی لشکر ابابیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اب خانۂ خدا کا مستقل محافظ آ رہا ہے جس طرح کہ علیؑ کی ولادت کے بعد عرب کو کسی "معیار الولد" کی ضرورت نہیں رہ گئی تھی۔

اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ جس طرح تم نے کل دیکھ لیا ہے کہ خدا کا بھیجا ہوا مختصر پرندہ بھی غلطی نہیں کر سکتا ہے ویسے ہی آج بھی اندازہ کر لینا کہ اسے بھی میں ہی بھیج رہا ہوں، لہٰذا اس کی زندگی میں بھی کسی خطا کا امکان نہیں ہے اور اس کی زندگی میں بھی خطا کا احتمال دینا ابرہہ پرستی ہے خدا پرستی نہیں ہے۔

اسلام میں واقعات کے تعارف میں عام الفیل کا استعمال دو مقامات پر ہوتا ہے۔ ولادت سرکار دو عالمؐ اور ولادت مولائے کائناتؑ (سنہ ۳۰ عام الفیل)۔ اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ دونوں خدائی نمائندے ہیں اور دونوں کے کردار کا خدا ضامن ہے اور دونوں کے آنے کے بعد دینِ خدا اور خانۂ خدا کو کسی غیبی لشکر کی ضرورت نہیں رہ گئی ہے۔

رب العالمین نے اس واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے سورۂ قریش میں اپنے اس احسان کو یاد دلایا ہے کہ ہم نے ابرہہ کے لشکر کو فنا کر کے سردی و گرمی کے سفروں کو محفوظ کر دیا اور بھوکوں کے کھانے پینے کا انتظام کر دیا جس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ بظاہر تو آمد ابابیل ایک منفی مقصد کے لیے تھی لیکن واقعاً اس کا ایک مثبت پہلو بھی ہے اور وہ بھوکوں کا سیر کرنا اور خوف زدہ افراد کو اطمینان فراہم کرنا ہے۔

سنہ عام الفیل میں سرکار دو عالمؐ کی ولادت بھی انہی دونوں نکتوں کی طرف اشارہ ہے اور شاید اسی لیے آپ کی آمد کے لیے جناب عبداللہ کے صلب اور جناب آمنہ کے بطن مبارک کا انتخاب کیا گیا تاکہ عالم انسانیت پر یہ بات واضح ہو جائے کہ دنیا کو عبدیت و بندگی کا درس دینے والا اور خوف زدہ دنیا کو امن فراہم کرنے والا آ رہا ہے اور اس کے آ جانے کے بعد نہ بندگی کو کوئی خطرہ رہ جائے گا اور نہ امن عالم کو۔ یہ عبداللہ کا لال ہو کر درس عبدیت دے گا اور آمنہ کا فرزند بن کر امن و سکون فراہم کرے گا اور مطعم الطیر کا چشم و چراغ بن کر بھوکوں اور پیاسوں کے سیر و سیراب کرنے کا انتظام کرے گا۔

محلِّ ولادت

سالِ ولادت کی طرح رب العالمین نے آپ کے محل ولادت کو بھی ایک امتیاز عطا فرمایا ہے اور اس کے لیے ابوطالب جیسے شریف، غیرت مند، مربی، محافظ اور صاحب جرأت و ہمت کے گھر کا انتخاب کیا ہے تاکہ ان کے ایمان کی وضاحت کے ساتھ ساتھ سرکار دو عالمؐ کی عظمت و جلالت کا بھی اندازہ ہو جائے اور دنیا پر یہ واضح ہو جائے کہ ہماری مصلحتوں کا انداز بالکل جداگانہ ہے، ہم اپنے حبیب خاص کو ابوطالب کے گھر میں پیدا کرتے ہیں اور ابوطالب

کے فرزند کو اپنے گھر میں پیدا کرتے ہیں اور دونوں کی ولادت کا تعارف قصہ اصحاب الفیل سے کراتے ہیں تاکہ عالم عقل و شعور پر واضح ہو جائے کہ یہ دونوں میرے گھر کے مستقل محافظ ہیں اور یہ ابوطالب کی خدمتوں کا ایک صلہ ہے جو ولادتِ علیؑ کی شکل میں دیا جا رہا ہے۔

ابتدائی زندگی

پدر بزرگوار کا انتقال دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے ہو گیا۔ ماں نے بھی بچپنے ہی میں ساتھ چھوڑ دیا۔ حضرت عبدالمطلب کی کفالت میں رہے اور خانۂ خدا کا محافظ بندۂ خدا کا محافظ قرار پایا، اور جب وہ دنیا سے جانے لگے تو انھوں نے اپنی تمام اولاد میں ابوطالبؑ کا انتخاب کر کے تحفظِ رسالت کا کام ان کے حوالے کر دیا اور انھوں نے مکمل علم و ایقان اور شناخت و عرفان کے ساتھ سرکار کی تربیت و نگہداشت کا انتظام کیا۔

مکہ کے کاہنوں نے بتایا کہ یہ فرزند عظیم الشان ہے۔ سفر تجارت میں راہب نے آگاہ کیا کہ اس کا مستقبل درخشاں ہے اور دیگر وسائل و ذرائع سے حیثیت نبوت کا اندازہ ہوتا رہا، لیکن ابوطالبؑ نے زندگی کا خاتمہ کر دینے کے بجائے اس کا تحفظ کر کے واضح کر دیا کہ اختلافِ عقائد و کردار میں زندگی کا خاتمہ کیا جاتا ہے تحفظ نہیں کیا جاتا ہے پھر میرے کردار کو واقعہ عقبہ سے ملا کر دیکھو گے تو اندازہ ہو گا کہ صحابیت کسی مقام پر بھی ہو لیکن جگر جگر ہے دگر دگر ہے۔"

کمسنی کے عالم میں کاہنوں اور راہبوں کا مستقبل کے بارے میں بیان دینا علامت ہے کہ سرکارِ دو عالم کی ابتدائی زندگی بھی بڑی امتیازی حیثیت کی مالک تھی اور آپ کے بچپنے کا قیاس بھی دنیا کے دوسرے انسانوں پر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یا واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ راہب اور کاہن نے آپ کے چہرۂ اقدس میں اسی طرح کمالات کا مشاہدہ کر لیا تھا جس طرح آپ نے اُمّت کو متوجہ کیا تھا کہ آدمؑ کا علم، نوحؑ کا زہد، ابراہیمؑ کی خلت، موسٰیؑ کی ہیبت، عیسٰیؑ کا تقویٰ یوسفؑ کا حسن و جمال اور دیگر انبیاء کرام کا فضل و کمال دیکھنا ہو تو علیؑ کے چہرے پر نظر کرو۔ اس ایک آئینہ میں سارے جلوے نظر آ جائیں گے، جس طرح راہب و کاہن نے میرے چہرے میں سارے کمالات کا مشاہدہ کر لیا تھا۔

ازدواج

ایک سفرِ تجارت سے واپسی پر جہاں آپ جناب خدیجہؓ کے مال سے بطور نمائندہ تجارت کر رہے تھے جب خدیجہؓ کے غلام نے آپ کے فضائل و کمالات اور مناقب و کرامات کا تذکرہ کیا تو خدیجہؓ نے موقع کو نہایت درجہ مناسب دیکھتے ہوئے سماج کے تمام بندھنوں کو توڑ کر آپ کے پاس عقد کا پیغام بھیج دیا اور اس طرح ابتدائی مراحل طے کرنے کے بعد ایک ۲۵ سال کے جوان کا عقد بظاہر ۴۰ سال کی خاتون سے ہو گیا۔ اور سماج کے تمام مفروضہ اصول خاک میں مل گئے، مال و دولت، تجارت و مزدوری، طبقات، فرضی حیا و غیرت، سماجی رسم و رواج سب پیروں تلے روند دیے گئے اور صاحبِ معراج کے قدم خدیجہؓ کے دوش کمالات پر آ گئے۔

جناب ابوطالبؑ نے خطبۂ عقد پڑھا اور کمالات کے مقابلہ میں مال کی بے وقعتی کا اظہار کیا اور عالمِ انسانیت کو نئے اقدار سے روشناس کراتے ہوئے صاحبانِ کمال کو دولت و ثروت کے مقابلہ میں احساس کمتری سے نجات دلانے کا انتظام کر دیا۔

بعثت

تقریباً ۱۵ سال کی ایثار بھری گھریلو زندگی گزارنے کے بعد رب العالمین نے ایک نئی ذمہ داری کا بوجھ کاندھوں پر رکھ دیا اور سورۂ اقرأ کے ذریعہ پیغام الٰہی پڑھ کر لوگوں کو دعوتِ علم و فضل دینے کا حکم دے دیا۔ غارِ حرا کی منزل ذکر و فکر تمام ہوئی اور رسالت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کا وقت آ گیا۔

ابتدائی خفیہ دعوت کے بعد عشیرہ و قبیلہ کے سامنے پیغام پیش کرنے کا حکم آ گیا اور آپ نے خشک دعوت کے بجائے بحکم رب العالمین کھانے کا انتظام شروع کر دیا۔ حضرت علیؑ مہتمم قرار پائے اور چالیس افراد خاندان کو مدعو کر لیا گیا۔

مختصر سے کھانے سے چالیس آدمیوں کو سیر کرنے کے بعد رسول اکرمؐ نے پیغام سنانے کا ارادہ کیا تو ابولہب نے قوم کو بھڑکا دیا اور کہا کہ یہ جادوگر ہیں۔ لوگوں نے فرار اختیار کیا اور آپؐ نے

مجبوراً دوسرے دن پھر دعوت کی اور آخر کار اپنا پیغام پیش کر دیا جس میں توحید الٰہی، اپنی رسالت اور خیر دنیا و آخرت کا ذکر تھا۔ جس کے بعد آپ نے نصرت کا مطالبہ کیا اور خلافت کا وعدہ کیا۔ ساری قوم میں تنہا حضرت علیؑ نے نصرت کا وعدہ کیا اس لیے کہ ان کی رگوں میں ابوطالبؑ کا خون دوڑ رہا تھا جو پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ میرے سردار آپ اعلان کریں کس کی مجال ہے جو میرے ہوتے ہوئے آپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔ علیؑ کے وعدۂ نصرت پر رسول اکرمؐ نے ان کی وصایت و وزارت و خلافت کا اعلان کر دیا اور اس طرح اسلام کے جملہ بنیادی اصول توحید، عدالت، رسالت، آخرت اور خلافت کا اعلان ہو گیا اور حضرت ابوطالبؑ نے بھی اپنی حکومیت اور مرسل اعظمؐ کی سیادت و حاکمیت کا اعلان کر دیا تاکہ اسلام روز اوّل سے مکمل شکل میں سامنے آجائے اور اس میں کسی طرح کی کوئی کسر نہ رہ جائے نہ اصول میں کوئی کمی رہ جائے اور نہ سن و سال اور رشتہ و قرابت معیار بزرگی بننے پائیں۔

ردعمل

اس اعلان کا ردعمل یہ ہوا کہ چاروں طرف سے ہجوم مصائب شروع ہو گیا۔ ایک طرف رسول اکرمؐ قولوا لا الٰہ الا اللّٰہ کی تبلیغ کر رہے ہیں اور دوسری طرف کفار ان کے ساتھ تمام حلقہ بگوش ہو جانے والوں کو طرح طرح کی اذیت دے رہے ہیں۔ جناب یاسر و سمیہ کی شہادت اور جناب عمار کا تقیہ اسی دور کی یادگار سیرتیں ہیں۔ حالات کے انتہائی نازک ہو جانے کی بنا پر مرسل اعظمؐ نے ہجرت کا حکم دے دیا اور جناب جعفر طیار کی سرکردگی میں مسلمانوں کی ایک جماعت کو حبشہ روانہ کر دیا جو بظاہر مسلمانوں کی جان بچانے کی تدبیر تھی لیکن واقعاً اسلام کے پیغام کی اشاعت کا ایک راستہ تھا، اور اسی لیے اس کام کے لیے بھی ابوطالبؑ ہی کے ایک فرزند کا انتخاب کیا گیا۔ جنھوں نے نجاشی کے دربار میں ایسا خطبہ پڑھا اور سورۂ مریم کی آیات کی اس شان سے تلاوت کی کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اس نے مکہ کے مشرکین کی طرف سے مسلمانوں کی واپسی کا مطالبہ کرنے والے وفد کو نہایت ذلت کے ساتھ باہر نکال دیا اور اسلام ملک حبش تک پہونچ گیا اور ہجرت کا پہلا فائدہ یا فلسفہ منظر عام پر آگیا۔

ہجرت

تھوڑے عرصہ کے بعد شعب ابی طالب کی سہ سالہ مشقت آفریں زندگی کا خاتمہ ہو گیا اور

کفار نے اپنے معاہدہ کو توڑ کر قدرے مہلت دی تو رسول اکرمؐ نے کار تبلیغ کو تیز تر کر دیا لیکن اسلام کے دونوں محافظ ایک ساتھ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ادھر محاذ شجاعت کا سپاہی ابوطالبؑ دنیا سے رخصت ہوا اور ادھر محاذ ایثار کی مجاہدہ خدیجہؑ نے دنیا کو خیرباد کہہ دیا اور رسولِ اکرمؐ کی تنہائی اور پریشانی کو دیکھ کر رب العالمین نے انھیں بہ نفس نفیس ہجرت کا حکم دے دیا۔

مسلمان بڑی تعداد میں پہلے ہی ہجرت کر چکے تھے۔ اب آپ بھی تیار ہو گئے اور بستر پر حضرت علیؑ کو چھوڑ کر امانتوں کی واپسی کی ہدایت دے کر روانہ ہو گئے۔ اب زغۂ کفار میں مولائے کائنات ہیں اور جناب فاطمہ بنت اسد اور جناب فاطمہ بنت محمدؐ۔ جن کے صبر و استقلال کی تعریف و توصیف ناممکن ہے کہ ایسے سنگین ترین حالات میں بھی گھر میں رہ کر صبر و سکون کا مظاہرہ کیا اور کسی طرح کے نالہ و شیون کی آواز بلند نہیں کی جب کہ ایسے موقع پر بڑے بڑے بہادر بھی رو دیا کرتے ہیں۔

صبح ہوئی ــ کفار کو حضرت علیؑ کو دیکھ کر مایوسی ہوئی، انتقام کا جذبہ ابھرا اور جب حضرت علیؑ فواطم کا قافلہ لے کر چلے تو کفار سدّ راہ ہو گئے حالانکہ ان کی امانتیں انھیں واپس مل چکی تھیں اور حضرت علیؑ کے ذمہ کسی کا کوئی حق باقی نہ تھا۔

مزاحمت ہوئی اور شدید انداز سے ہوئی۔ لیکن حضرت علیؑ کامیابی کے ساتھ قافلہ کو لے کر آگے بڑھ گئے اور مدینہ کے باہر سرکارِ دو عالمؐ سے مل گئے جہاں آپ حضرت علیؑ کا انتظار کر رہے تھے۔ ہجرت کے دوسرے دور میں مدینہ میں تبلیغ کا کام شروع ہوا اور رسولِ اکرمؐ نے ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھا جس کا مقصد بھی یہ واضح کرنا تھا کہ اسلام کا مرکزی مقام اور تبلیغ کا بنیادی سینٹر یہی خانۂ خدا ہے جہاں سے اسلام کی آواز پھیل سکتی ہے اس کے بعد اسلام دار الامارہ اور گورنمنٹ ہاؤس کی نذر ہو گیا تو اس کی صورت مسخ ہو جائے گی اور وہ اپنی اصالت اور واقعیت کو کھو بیٹھے گا۔

واضح رہے کہ ہجرت انسان کا ایک فطری عمل ہے جس کا ردعمل خارجی حالات میں بھی ظاہر ہوتا ہے ورنہ انسان ابتدائے پیدائش سے مشغول سفر اور مصروف ہجرت رہتا ہے۔ بچپنے سے جوانی، جوانی سے ضعیفی، ناتوانی سے طاقت اور جہالت سے علم کی طرف کا سفر ایک طرح کی ہجرت ہی ہے؛ جس میں بہتر حالات کی طرف آگے بڑھنے کی مہم ہوتی ہے۔ اب جن کی نظر میں بہتر حالات سے مراد مال و دولت و اقتدار ہے وہ ان مراکز کی طرف ہجرت کرتے ہیں اور جن کی نگاہ میں بہترین حالات

سے مراد خدمتِ دین و مذہب ہے وہ ان مراکز کی طرف ہجرت کرتے ہیں جہاں خدمتِ دین کے بہترین مواقع ہوں اور اصلاحِ امت کا کام بہترین طریقہ سے انجام دیا جا سکے۔

ہجرت کے بعد

مدینہ آنے کے بعد بھی کفار کو سکون نہ ملا اور انھیں یہ خیال رہا کہ جب ہم ان کو ان کے وطن سے باہر نکال سکتے ہیں تو انھیں عالمِ غربت اور دیارِ غیر میں فنا کر دینا کیا مشکل کام ہے اور اُدھر ہجرت کی شرمندگی کا علاج کرنا بھی مقصود تھا، چنانچہ مدینہ پر چڑھائی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ حضور اکرمؐ نے کفار کے قافلہ تجارت کو روک کر اپنی طاقت کا بھی مظاہرہ کرنا چاہا اور کفار کے ہاتھوں غصب ہو جانے والے اموالِ مسلمین کو بھی واپس لینا چاہا اور اس کے نتیجہ میں بدر میں اسلام کا پہلا معرکہ پیش آگیا۔ ۳۱۳ خالی ہاتھ مسلمان اور ۹۵۰ مسلح کفار۔ لیکن رب العالمین نے مادی اور معنوی کمک کے غیبی اسباب فراہم کر دیے اور بالآخر اسلام غالب آگیا اور کفار کے ستر آدمی قتل ہو گئے جن میں سے ۳۵ کو تنہا فرزند ابوطالبؑ حضرت علیؑ نے قتل کیا تھا اور باقی ۳۵ کے قتل میں مجاہدین کی کمک کی تھی۔ اُدھر ستر مشرکین گرفتار بھی ہو گئے اور مسلمانوں کو مالِ غنیمت بھی حاصل ہو گیا۔

عقد جناب فاطمہؑ

جنگ بدر کے بعد رسول اکرمؐ نے حکم خدا کے مطابق تمام مسلمانوں کے پیغامات کو ٹھکرا کر حضرت علیؑ سے اپنی بیٹی فاطمہؑ کا عقد کر دیا۔ لیکن سامانِ عقد میں نہ دولتِ خدیجہ کام آئی اور نہ مسلمانوں کا مالِ غنیمت۔ بلکہ آپ نے حضرت علیؑ کی زرہ کو فروخت کر کے ان سے ۵۰۰ درہم مہر لیا اور اس میں سے ۶۳ درہم کا سامان خرید کر بطور جہیز دے دیا اور باقی حضرت علیؑ کو انتظامِ خانہ داری اور اہتمامِ ولیمہ کے لیے دے دیا۔ رقم مہر کا ایک اچھا حصّہ خوشبو پر صَرف کیا کہ یہ اسلام میں مال کا بہترین مصرف ہے اور اسلام صفائی، پاکیزگی اور خوشبو پر کافی زور دیتا ہے۔

یہ اسلام میں ایک تاریخی اور مثالی شادی تھی جس کا عقد آسمان پر بھی ہوا اور زمین پر بھی، جس کا مہر معنوی بھی تھا اور مادی بھی۔ لیکن اس کا مصرف ایک عام معمولی شادی سے بھی کمتر تھا جس نے امت کے غریبوں

کا بھرم رکھ لیا، اور قیامت تک ہونے والی شادیوں کے لیے ایک راستہ قائم کر دیا جس کے بعد پریشانی "خود کردہ را علاجے نیست" کی مصداق ہے، جس کی کوئی ذمہ داری اسلام پر نہیں ہے۔

معرکے

بدر کی شکست کے بعد کفار میں جذبۂ انتقام پیدا ہو گیا اور ۳ھ میں احد کا معرکہ پیش آگیا۔ یہ معرکہ خاص مدینہ کے اطراف میں ہوا اور اسے حضرت علیؑ نے چند مجاہدین کے ساتھ سر کر لیا تھا۔ لیکن مسلمانوں نے حکمِ رسولؐ کی مخالفت میں دَرّہ کو چھوڑ دیا اور خالد بن ولید نے دوبارہ حملہ کر کے جنگ کا نقشہ بدل دیا اور مسلمان میدان سے فرار کر گئے۔ اور اس طرح یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ رسولِ اکرمؐ کے حکم کی خلاف ورزی، مالِ غنیمت کی لالچ، اور رسولؐ کے تقسیمِ غنائم پر عدمِ اعتماد کا انجام کیا ہوتا ہے اور واضح ترین کامیابی کس طرح شکست میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

اس کامیابی نے کفار کے حوصلے بڑھا دیے اور انھوں نے تمام احزاب کو جمع کر کے قلبِ مدینہ پر حملہ کر دیا اور ان کا سربراہ عمرو بن عبدود خیمۂ رسولؐ تک آگیا اور معرکہ، کفار و مسلمین کے بجائے کل اسلام اور کل کفر کا ہو گیا۔ لیکن حضرت علیؑ کی ایک ضربت نے جنگ کا فیصلہ کر دیا اور رسول اکرمؐ نے اس ضربت کو عبادتِ ثقلین پر بھاری قرار دے دیا۔

جنگِ خندق نے کفار کے حوصلے اس حد تک تو پست کر دیے کہ باہر جا کر لڑنے کی ہمت نہیں رہ گئی لیکن جب ۶ھ میں رسول اکرمؐ عمرہ کے لیے مکہ گئے تو انھیں بیرونِ آبادی روک دیا اور شہر میں داخلہ سے منع کر دیا۔ متعدد بحثوں کے بعد صلح حدیبیہ کی نوبت آئی اور حضرت علیؑ نے حکمِ رسولؐ سے صلح نامہ مرتب کر دیا۔ بعض مسلمانوں کو رسالت میں شک بھی ہو گیا لیکن خدا نے اس صلح کو فتح مبین قرار دے دیا جس کے بعد دوسرے سال مکہ خالی ہو گیا اور مسلمانوں نے باقاعدہ عمرہ کر لیا اور یہ سرد و گرم دونوں طرح کی جنگ کی کھلی ہوئی فتح تھی۔ سرد جنگ کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ کفار نے اسلام کی مذہبی حیثیت کو تسلیم کر کے مسلمانوں کو عمرہ کا موقع دے دیا اور گرم جنگ کی فتح یہ تھی کہ طاقت کے مقابلہ کا ذکر نہیں آیا اور از خود مکہ خالی ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں ۸ھ میں مکہ بھی فتح ہو گیا اور کعبہ کو بتوں سے خالی بھی کرا دیا گیا۔ یہ اور بات ہے کہ اسلام فتح کے بعد انتقامی کارروائی نہیں کرتا ہے بلکہ سرکاری مجرمین کو معاف کر دیتا ہے اور صرف عوامی مجرمین سے

محاسبہ کرتا ہے۔

خیبر

صلح حدیبیہ کے بعد کفار مکہ تو بظاہر خاموش ہو گئے لیکن خیبر کے یہودیوں نے ریشہ دوانیاں شروع کر دیں اور کفار کو ورغلانے لگے اور ان سے کمک کا بھی معاہدہ شروع ہو گیا تو رسولِ اکرمؐ نے خیبر کا رُخ کیا اور ۳۹ دن محاصرہ کے بعد خیبر کے جملہ قلعے فتح کر لیے اور حضرت علیؑ نے عمرو ہی کی طرح مرحب و عنتر و حارث کا بھی خاتمہ کر دیا اور اسلام نے یہودیت کا قلعہ بھی فتح کر لیا جس کے بعد اہلِ فدک از خود تسلیم ہونے پر تیار ہو گئے اور یہ علاقہ رسولِ اکرمؐ کو بغیر جنگ کے ہاتھ آ گیا جو رسولِ اکرمؐ کی ذاتی ملکیت قرار پایا اور آپ نے اسے اپنی بیٹی جناب فاطمہؑ کے حوالے کر دیا جس کی ایک داستان تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے اور جس نے امت کی پیشانی کو عرقِ شرم سے تر کر دیا ہے کہ امت اپنے پاس سے دخترِ رسولؐ کی کفالت کرنے کے بجائے خود اس کا حق بھی نہ دے سکی یا نہ دلوا سکی اور رسول اکرمؐ کی بیٹیؑ کو یہ وصیت کرنا پڑی کہ میرے جنازہ کو رات کی تاریکی میں دفن کیا جائے اور میرے جنازہ میں ظالموں کو شرکت کا موقع نہ دیا جائے۔

واضح رہے کہ جناب جعفر طیار کی ہجرت حبشہ سے آخری واپسی اس وقت ہوئی جب حضرت علیؑ خیبر کے قلعہ کو فتح کر کے واپس آئے اور رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ میں کس چیز کی زیادہ خوشی مناؤں، خیبر کی فتح کی یا جعفر کی واپسی کی ــ اور اس طرح روحِ ابوطالبؑ خوشی سے وجد کرنے لگی کہ ایک فرزند نے سرِ جنگ کو سر کیا ہے تو دوسرے نے صلح مقابلہ کے میدان کو فتح کر لیا ہے۔

حُنین

خیبر کے بعد حنین کا معرکہ بھی سر ہو گیا اور مکہ بھی فتح ہو گیا۔ بلکہ سنہ ۹ھ میں اسلام کا عیسائیت کے ساتھ معرکہ بھی مباہلہ کے میدان میں فتح ہو گیا اور رسولِ اکرمؐ نے اپنے اہلبیتؑ کے سہارے عیسائیت کو مکمل شکست دے کر نصاریٰ کو جزیہ دینے پر مجبور کر دیا اور اسلام آخری فتح سے بھی ہمکنار ہو گیا جس کی ہر فتح میں کسی نہ کسی فرزندِ ابوطالبؑ کا حصہ رہا جس نے روزِ اول کہا تھا؛

"قُمْ یَا سَیِّدِیْ"

حجۃ الوداع

رسول اکرمؐ کی راہ نمائی اور حضرت علیؑ کے مجاہدات کے نتیجہ میں کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی جملہ طاقتوں کے شکست خوردہ ہو جانے کے بعد قدرت نے چاہا کہ حضرت علیؑ کے ان مجاہدات کی حیثیت اور ان کی قدر و قیمت کا اعلان کر دیا جائے، چنانچہ رسول اکرمؐ نے آخری حج کا اعلان کر دیا اور لاکھوں مسلمان مختلف اطراف عالم سے حج بیت اللہ کے لیے جمع ہو گئے۔ حجۃ الوداع کی واپسی پر مقام غدیر خم میں قدرت نے اس آخری امر کی تبلیغ کا حکم دیا اور رسول اکرمؐ نے سوا لاکھ مسلمانوں کے مجمع میں حضرت علیؑ کی ولایت اور مولائیت کا اعلان کر دیا اور اس طرح بعثت سے شروع ہونے والا کام غدیر میں مکمل ہو گیا اور اسلام کو ایک مستقل محافظ اور امت کو ایک بہترین مولا مل گیا جو ہر اعتبار سے رسول اکرمؐ کا مثیل اور ان کے کردار کا امتداد اور استمرار تھا۔

حجۃ الوداع کی واپسی پر قدرت نے اپنے محبوب کو اپنی بارگاہ میں طلب کرنے کا اعلان فرما دیا اور ۲۸ صفر سنہ ۱۱ھ کو رسول اکرمؐ اپنے خالق کی بارگاہ میں پہونچ گئے۔ وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ امت اپنے بہترین مہربان باپ کی سرپرستی سے محروم ہو گئی اور دشمنانِ اسلام کو طرح طرح کی ریشہ دوانیوں کا موقع مل گیا جس کے نتیجہ میں رسولِ اکرمؐ کی دختر اور ان کے اہلبیتؑ کو بے پناہ مصائب کا نشانہ بننا پڑا اور باپ کے تقریباً ۹۵ دن کے بعد بیٹی بھی شکستہ پہلو ستم رسیدہ اپنے باپ کی خدمت میں پہونچ گئی۔ جب ہجوم مصائب نے جائداد پر قبضہ کر لیا، محسن کو شہید کر دیا، پہلو کو شکستہ بنا دیا، وارث کے گلے میں رسی ڈال دی اور امت یا اصحاب نے ایک نئے انداز سے اجر رسالت پیش کر دیا۔

تبلیغی راہ کی رکاوٹیں

یہ بات تو ساری دنیا جانتی ہے کہ سرکار دو عالمؐ نے ۲۳ سال کے مختصر وقفہ میں اس شاندار طریقہ سے دین الٰہی کی تبلیغ کی ہے کہ آج جب مسلمان "صحابہ کرام" کی فہرست تیار کرتے ہیں تو ان کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تک پہونچا دیتے ہیں۔ جن مسلمانوں کو شرف صحابیت حاصل نہیں ہو سکا اور حضورؐ کے دیکھے بغیر غیب پر ایمان لائے ان کا سلسلہ اور طولانی ہے۔ لیکن اس بات سے اکثر افراد بے خبر ہیں کہ اس قدر کامیاب تحریک کس طرح کامیاب ہوئی ہے اور اس راہ میں سرکار نے کن مشکلات اور مصائب کا سامنا کیا ہے۔ یہ کہہ دینا بہت آسان ہے کہ سرکار پر کوڑا پھینکا گیا، راستے میں کانٹے بچھائے گئے، پتھر مارے گئے اور طرح طرح کی اذیتیں پہونچائی گئیں یہاں تک کہ حضورؐ نے اعلان فرمایا کہ جس قدر مجھے ستایا گیا ہے اس قدر کسی نبی کو اذیت نہیں دی گئی ہے ۔ لیکن اس کے مفاد اور مفہوم کو وہی انسان سمجھ سکتا ہے جو اس راہ میں قدم رکھے اور ان مشکلات کا سامنا کرے۔

آج تبلیغِ دین بے حد آسان ہے، زمانہ روشن فکر ہو چکا ہے، جاہلیت کا دور تمام ہو چکا ہے، تبلیغ کا بیشتر حصہ ان افراد سے متعلق ہے جو پشتینی مسلمان ہیں اور جنھوں نے مسلمانوں کی آغوش یا ان کے ماحول میں آنکھیں کھولی ہیں۔ آج ماحول کے ذہن میں وہ تاثرات اور تعصبات نہیں ہیں جن کی بنا پر کلمۂ حق کہنا مشکل اور سننا اس سے زیادہ مشکل تھا لیکن اس کے باوجود. بڑے بڑے صاحبان علم و ہنر ہمت ہار جاتے ہیں اور یہ کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں کہ اس زمانے کی اصلاح ممکن نہیں ہے اور دنیا تباہی کے اس موڑ پر پہونچ چکی ہے جس سے واپس آنا ناممکن ہے۔

لیکن سرکار دو عالمؐ نے اس سے کہیں زیادہ بدتر ماحول میں کام شروع کیا، جسے قرآن مجید نے ضلال مبین اور کھلی گمراہی سے تعبیر کیا ہے اور اس قدر کامیابی سے کام تمام کیا کہ پروردگار نے اپنی رضامندی کا اعلان کر دیا۔

دیکھنا یہ ہے کہ وہ حالات اور مشکلات کیا تھے جن سے سرکار دو عالمؐ کو گذرنا پڑا اور جن کا مقابلہ کرنا ہر مسلمان بلکہ ہر ذمہ دار مسلمان کا فرض ہے جس کے بغیر نہ اسلام کا حق ادا ہو سکتا ہے اور نہ انسان مکمل طور پر مسلمان ہو سکتا ہے۔ اسلام کا دعویٰ کرنا آسان ہے اور اسلام کی راہوں سے گذرنا بہت مشکل ہے۔

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

سرکار دو عالمؐ نے جس عالم میں تبلیغ کا آغاز کیا ہے وہ ایسی بے سرو سامانی کا عالم تھا کہ اپنے خاندان کے چند افراد کے علاوہ کوئی ساتھ دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ خاندان میں بھی عباس جیسے افراد نے معذرت کر لی تھی کہ ہم اتنے بڑے طوفان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن حکم خدا کی عظمت اور کام کی اہمیت نے حوصلے اتنے بلند کر رکھے تھے کہ ساز و سامان کی پرواہ کیے بغیر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کام کا آغاز دعوت سے کیا تاکہ کسی بدگمان کو بھی یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ اسلام کوئی کھانے پینے کا ذریعہ ہے۔ سرکار نے پہلے ہی دن واضح کر دیا کہ میں قوم کو کچھ دینے کے لیے آیا ہوں قوم سے کچھ لینے کے لیے نہیں آیا ہوں اور اپنی امت کے سربراہوں کو بھی ہوشیار کر دیا کہ میرا کلمہ پڑھنا ہے اور میرے مذہب کی تبلیغ کرنا ہے تو قوم سے کچھ لینے کو مقصد نہ بناؤ ــــــ قوم کو کچھ دینے کا حوصلہ پیدا کرو۔

دعوت میں کھلانے پلانے کے بعد جس زحمت کا سامنا کرنا پڑا وہ یہ تھی کہ جن کو کھلایا پلایا انھیں نے جادوگر اور مجنون کہنا شروع کر دیا ــــ اور تاریخ نے یہ نکتہ محفوظ کر لیا کہ کسی تحریک سے پہلے کے تعلقات اور ہوتے ہیں اور تحریک کے بعد کے حالات اور ہوتے ہیں ــــ تحریک سے پہلے صادق و امین کہنے والے ہی تحریک کے بعد جادوگر اور دیوانہ کہنے لگتے ہیں کہ ان کے سامنے وہ خطرہ آجاتا ہے جس سے ان کے سارے بدن میں لرزہ پیدا ہو جاتا ہے اور یہ خیال دل و دماغ میں گردش کرنے لگتا ہے کہ اب رسوم و عادات کا قلعہ مسمار ہونے والا ہے، اور آبا و اجداد کے بنائے ہوئے اصول تباہی کے گھاٹ اُترنے والے ہیں۔ اب دینِ خدا کی حکومت ہوگی اور خود ساختہ مذہب کے بجائے الٰہی قانون زندگانی بشر پر حکمرانی کرے گا۔

جادوگر اور مجنون کہنے ہی پر اکتفا نہیں کی گئی کہ سرکار دو عالمؐ انھیں مجنون و بے عقل قرار دے کر

اپنا کام جاری رکھتے اور ایسے احمقانہ الزامات کی پرواہ نہ کرتے بلکہ کفار نے یہ بھی محسوس کرلیا کہ یہ تحریک صرف الزامات سے رکنے والی نہیں ہے لہذا سڑکوں پر گھراؤ کا پروگرام بنایا گیا اور اس میں حسب حصہ ساری قوم کو شریک کیا گیا۔ بچّوں کو پتھر مارنے کا کام دیا گیا، عورتوں کو کوڑا پھینکنے کا کام ملا، بزرگوں کو ہر محفل و اجتماع میں نئے نئے الزامات تراشنے اور ان کا اشتہار کرنے کا کام سپرد کیا گیا اور یہ رکاوٹ لفظی رکاوٹ سے کہیں زیادہ مشکل تھی لیکن سرکار نے اس کی پرواہ بھی نہیں کی اور اپنا کام جاری رکھا۔

یہ حربہ بھی کامیاب نہ ہوا تو اس سے زیادہ کامیاب منصوبہ تیار کیا گیا کہ روز روز کے پتھراؤ اور گھراؤ سے بہتر یہ ہے کہ ایک دفعہ زندگی کا خاتمہ کردیا جائے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے راحت حاصل کرلی جائے۔

اور یہ منصوبہ بھی رات کے وقت تیار کیا گیا جو دشمن کی کمزوری اور تحریک کی طاقت کی سب سے بڑی دلیل تھی۔ سرکار دو عالمؐ نے اس منصوبہ کا بھی مقابلہ کیا اور اپنے عزیز بھائی کو اپنا جانشین بنا کر حکم خدا سے ہجرت کر گئے کہ وقتی طور پر محاذ عمل تبدیل کردیا جائے گا یا وسیع تر بنا دیا جائے گا لیکن کام نہیں روکا جائے گا ـــــ دشمن مطمئن ہو گیا کہ ہم نے وطن سے باہر نکال دیا ہے اور اپنے علاقہ میں داخلہ بند کردیا ہے اور جسے ذمہ داری سپرد کر گئے تھے وہ بھی دو ایک روز بعد ہجرت کر گیا ہے تو اب سارے خطرات ختم ہو چکے ہیں لیکن چند دنوں کے بعد تحریک کی کامیابی کی خبریں آنے لگیں اور یہ اطلاع ملی کہ محاذ عمل بدل دینے میں پیغمبر اسلامؐ ہی کو کامیابی ہو رہی ہے لہذا بوکھلاہٹ میں یہ طے کیا گیا کہ مدینہ پر حملہ کیا جائے چنانچہ کبھی تنہا اپنی طاقت کے سہارے، کبھی یہودیوں کو ساتھ لے کر، کبھی منافقین کو بھی سازش میں شریک کر کے متعدد حملے کیے گئے ـــــ لیکن سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ آٹھ سال کے بعد پیغمبرؐ فاتحانہ انداز سے اسی علاقہ میں داخل ہوئے جہاں سے کل بظاہر نکال دیئے گئے تھے اور دشمن خوش ہو رہا تھا کہ ہم نے نکال دیا ہے، اسے یہ احساس بھی نہیں تھا کہ ان کے سارے کام حکم خدا سے ہوتے ہیں اور یہ کسی وقت بھی واپس آسکتے ہیں۔

پیغمبرؐ فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے اور صورت حال اس قدر تبدیل ہو گئی کہ جس نے کل سرکار کو پناہ نہ لینے دی تھی وہ آج سرکار سے پناہ مانگ رہا ہے اور کفر اپنی بے سروسامانی

پر آنسو بہا رہا ہے۔

حیاتِ پیغمبرؐ کے یہ لمحات عبرت انگیز بھی ہیں اور زندگی ساز بھی ـــــ کہ راہِ اسلام میں تبلیغی فرض انجام دینا ہر باصلاحیت مسلمان کا فرض ہے اور تبلیغ کی راہ میں مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا ہر صاحبِ ایمان کی ذمہ داری ہے ـــــ اس کے بعد کامیابی دینا خداوند عالم کا کام ہے اور وہ اپنے نیک بندوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا ہے۔

مُسلمانو! اٹھو، سرکارؐ کے نقشِ قدم پر چل کر قوموں کی اصلاح کرو اور دنیا کو حقیقتاً سرکارؐ کے اصول و آئین کا گرویدہ بنا دو!۔

جہاد

جہاد کے معنی بے پناہ جدو جہد اور کوشش کرنے کے ہیں۔ یہ کوشش غلط راہ میں بھی ہو سکتی ہے اور صحیح راہ میں بھی۔ اور اسی لیے قرآن مجید نے بار بار "جہاد فی سبیل اللہ" کا تذکرہ کیا ہے کہ مسلمان اور مومن کا کام راہ خدا میں سعی اور کوشش بلیغ کرنا ہے کسی دوسری راہ میں نہیں۔

یہ جہاد مختلف انداز سے ہو سکتا ہے، قلم سے بھی ممکن ہے اور زبان سے بھی، اسلحہ سے بھی ہو سکتا ہے اور افرادی قوت سے بھی۔

اسلام نے بوقت ضرورت ہر قسم کے جہاد کا مطالبہ کیا ہے اور صاحبانِ قلم سے حق کی راہ میں قلم چلانے کا مطالبہ کیا ہے تو صاحبانِ خطابت سے زبان چلانے کا، اسلحہ چلانے والوں سے اسلحہ استعمال کرنے کا تقاضا کیا ہے تو افرادی قوت رکھنے والوں سے اسی طاقت کے استعمال کا مطالبہ کیا ہے۔

جہاد کی تمام قسموں میں سے ایک قسم میدانِ جنگ میں دشمن سے مسلح مقابلہ کرنا ہے۔ جسے اصطلاحی طور پر قتال کہا جاتا ہے، ورنہ جہاد مختلف اعتبارات سے ہمہ وقت ممکن ہوتا ہے، بلکہ بقدر طاقت واجب بھی ہوتا ہے۔

جب تک دنیا میں دشمنانِ حق وحقیقت زندہ رہیں گے، اور شیطان رجیم کا وجود باقی رہے گا، حق پر طرح طرح کے سیاسی، سماجی، اقتصادی، ادبی، اخلاقی حملے ہوتے رہیں گے، مسلمان پر بہر حال جہاد واجب رہے گا۔

یہ جہاد صرف مَردوں کا کام نہیں ہے بلکہ عورت پر بھی بقدر امکان جہاد واجب ہے کہ اگر مسلح مقابلہ میں اس کی ضرورت نہیں ہے تو نہ ہو لیکن دیگر مجاہدات میں اس کی شرکت بہر حال لازم ہے۔

اس کے علاوہ جہاد کی ایک قسم داخلی جہاد بھی ہے جہاں انسان کو خارجی دشمن سے نہیں اپنے نفس سے مقابلہ کرنا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس جہاد کے لیے میدانِ جنگ کی ضرورت نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی وقت اور زمانہ معین ہے۔ یہ ہر وقت ہے اور ہمیشہ رہے گا اور انسان کے داخل میں عقل اور نفس کی یہ جنگ جاری رہے گی اور مسلمان ہمہ وقت میدانِ جہاد میں رہے گا۔

اور شائد اسی جہاد کے اعتبار سے مسجد کے مرکزی مقام کو محراب کہا جاتا ہے کہ وہاں انسان اور شیطان یا عقل اور نفس کی جنگ برابر جاری رہتی ہے اور نمازی ہر آن شیطان پر غالب آنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اکثر اوقات شکست کھا جاتا ہے اور اخلاصِ عمل یا توجہِ نفس میں فرق آجاتا ہے اور کبھی کبھی کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔

کامیابی کی بھی دو قسمیں ہیں، کبھی انسان اپنے خیال اور اندازہ میں کامیاب ہوتا ہے اور دشمن اس کامیابی کا اقرار نہیں کرتا ہے اور کبھی دشمن بھی اس کامیابی کا اقرار کر لیتا ہے اور ندائے غیب بھی اس فتح مبین کی تائید کر دیتی ہے جیسا کہ امام زین العابدینؑ کے واقعہ میں ملتا ہے کہ جب سانپ انگوٹھا چبانے کے باوجود آپ کی توجہ کو اپنی طرف مبذول نہ کر سکا تو ندائے غیب نے ان الفاظ میں شیطان کے مقابلہ میں آپ کی فتح مبین کا اعلان کیا کہ " انت زین العابدین" (بے شک تم بزم عابدین کی زیب و زینت ہو)۔

جہاد کی اسی داخلی شکل کی تعبیر مختلف انداز سے کی گئی ہے کہ کبھی عورت کے لیے شوہر کی بہترین خدمت کو جہاد کہا گیا ہے کہ اس خدمت کی راہ میں اکثر اوقات اپنے جذبات کو قربان کرنا پڑتا ہے اور دوسرے کی مرضی کو اپنی مرضی پر مقدم کرنا پڑتا ہے جو جہاد نفس کا اعلیٰ ترین درجہ ہے اور کبھی اسی جہاد نفس کے اعتبار سے وضع حمل کی زحمتوں کو شہادت اور بدلِ جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ مرحلہ بھی میدانِ جنگ میں موت وحیات کی کشمکش سے کم نہیں ہے اور اس مرحلہ پر بھی عورت کو اسی منزل کشمکش سے گزرنا پڑتا ہے جس سے ایک سپاہی میدانِ جہاد میں گزرتا ہے اور اسی جہاد کے ذریعہ عورت مسلح مقابلہ کے لیے مجاہدین فراہم کرتی ہے ورنہ یہ جہاد ختم ہو جائے تو میدانِ جنگ کے لیے مجاہدین کی سپلائی کا راستہ ہی بند ہو جائے۔

مسلح جہاد کی دو قسمیں ہیں: ابتدائی جہاد اور دفاعی جہاد۔

ابتدائی جہاد وہ خطرناک کام ہے جسے عرف عام میں جارحیت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اسی لیے کوئی جارح اپنی جارحیت کو جہاد کا نام دینے کے لیے تیار نہیں ہے بلکہ سب اپنے حملے کو دفاع کا نام دیتے ہیں اور اس طرح ایک تلخ حقیقت پر شیریں کیپسول چڑھا دیتے ہیں۔

دنیا کے جس ملک کو دیکھا جائے، بڑے سے بڑا جارح اور حملہ آور اور مفسد ملک بھی اپنے ملک میں وزارت جنگ قائم نہیں کرتا ہے بلکہ وزارت دفاع ہی قائم کرتا ہے اور جب ملکی بجٹ تیار کرتا ہے تو جنگی اخراجات کا نام نہیں لیتا بلکہ دفاعی اخراجات کا ذکر کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائی جنگ یعنی جہاد انتہائی خطرناک اور انتہائی بدنام مرحلہ ہے جس سے گزرنے کے لیے کوئی فرد یا جماعت یا ملک تیار نہیں ہوتا ہے ـــــ لیکن نگاہ انصاف سے دیکھا جائے تو ابتدائی جہاد اتنا غلط کام نہیں ہے جتنا غلط سمجھا جاتا ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ اس کا استحقاق ہر شخص کو حاصل نہیں ہے۔ اس کے لیے کچھ خصوصیات ہیں جن کا فراہم ہونا بہرحال ضروری ہے۔

ابتدائی جہاد کی یہی خطرناک منزل تھی جس سے بچنے کے لیے مسلمان مورخین نے سارا زور تحقیق اس بات پر صرف کر دیا ہے کہ سرکار دو عالمؐ کے سارے اقدامات کو دفاعی ثابت کیا جائے اور کسی طرف سے ابتدائی اقدام کا احساس نہ ہونے پائے۔

یہ بات واقعات کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے کہ سرکارؐ نے حتی الامکان دفاعی راستہ ہی اختیار کیا ہے اور ابتدائی جہاد کے راستہ کو ترک کر دیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ سرکار دو عالمؐ کو یہ حق بھی حاصل تھا اور آپ اس راستہ کو بھی اختیار کر سکتے تھے جس کا اختیار کرنا دوسرے افراد یا ممالک کے لیے ناجائز اور حرام ہے ـــــ اور اس کا راز یہ ہے کہ اسلام اس ایک واقعیت پر ایمان رکھتا ہے کہ یہ کائنات ازخود نہیں پیدا ہوئی ہے بلکہ اسے ایک خالق و مالک اور قادر مطلق خدا نے خلق فرمایا ہے اور جو کسی کا خالق و مالک اور وجود دینے والا ہوتا ہے اس کا کم سے کم حق یہ ہوتا ہے کہ اس کا اقرار و اعتراف کیا جائے اور زندگی کو اس کی ملکیت تصور کرتے ہوئے ہر قدم پر اس کی اطاعت کی جائے بلکہ ضرورت پڑ جائے تو جان عزیز کو اس کی راہ میں قربان کر دیا جائے، اور اگر کوئی از راہ نالائقی و بغاوت اس کی اطاعت سے سرکشی کرے یا اس کے وجود ہی سے انکار کر دے تو دینے والے کو مکمل اختیار ہے کہ اپنی نعمت حیات کو واپس لے لے،

اور اس کی زندگی کا خاتمہ کر دے۔ یہ حق دوسرے کسی پیدا ہونے والے کو حاصل نہیں ہے۔ اس نے نہ وجود دیا ہے اور نہ اسے لینے کا حق ہی ہے۔ وہ زندگی کا خاتمہ کرنا بھی چاہے تو اس کے لیے جواز درکار ہے کہ اس کا کوئی احسان نہیں ہے اور سب اپنے اپنے گھر میں اپنے خالق کا احسان لے کر دنیا میں آئے ہیں۔

اسلام اور کفر یا دنیاوی نظاموں میں یہی فرق ہے کہ اسلام کا واضع ایک خالق و مالک ہے، اور کسی نظام کا وضع کرنے والا کائنات کا خالق و مالک نہیں ہے اور اسے بنیادی طور پر نہ کسی پر حق اطاعت حاصل ہے اور نہ کسی بغاوت کرنے والے سے زندگی سلب کر لینے کا حق ہے۔

رسولؐ اور امامؑ خدائے مالک و مختار کا نمائندہ ہوتا ہے لہٰذا اسے خدا کی طرف سے یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ جب تک انسان خدا کا اعتراف اور اس کی اطاعت کرتا رہے اسے زندہ رہنے کا حق دے اور جب انسان مالک کی بغاوت پر آمادہ ہو جائے تو اس کی زندگی کا خاتمہ کر دے، اور اسی لیے اسلام نے ابتدائی جہاد کے لیے نبی اور امام کی شرط لگائی ہے اور جہاد کے آغاز کے لیے دعوت الی اللہ کو ضروری قرار دیا ہے تاکہ مکمل طور پر یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ انسان باغی ہے یا نہیں، اور اس کو مالک کے وجود کا اقرار ہے یا نہیں۔ اگر مالک کے وجود کا اقرار ہے اور اطاعت میں کوتاہی کی ہے تو سزا دے، تنبیہ کرے، راہ راست پر لے آئے اور اطاعت کا پابند بنائے اور اگر اصل وجود کا انکار کر دے تو جس کا خالق نہ رہے اس مخلوق کو رہنے کا کیا حق ہے کہ مخلوق کا وجود خالق کے کرم ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

ایسی صورت حال میں ہمیں سرکار دو عالمؐ کے مجاہدات کو دفاعی ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور آپ کو ابتدائی جہاد کا مکمل حق حاصل ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آپ نے حالات کے پیش نظر اس حق کو استعمال نہیں کیا اور ہمیشہ مدافعانہ کارروائی کرتے رہے۔ اس کا واحد راز یہ تھا کہ آپ کے پیش نظر یہ نکتہ بھی تھا کہ دنیا کا ہر انسان نہ خالق و مالک کا قائل ہے اور نہ اس کے حق کو پہچانتا ہے خصوصاً کافر و مشرک جس سے جہاد کرنا ہے وہ تو یکسر اس حقیقت سے غافل یا متجاہل ہے۔ اس کے سامنے ایسے حقوق کو استعمال کیا گیا تو وہ الزام تراشی اور جارحیت کے پروپیگنڈہ کا بہترین موقع تلاش کر لے گا اور کوئی غیر جانبدار اس نکتہ پر غور کرنے کی زحمت بھی نہ کرے گا کہ مجھے وہ حقوق بھی حاصل ہیں جو دوسرے انسانوں کو حاصل نہیں ہیں کہ سب قومی اور سیاسی لیڈر ہیں اور میں خدائے قادر و قاہر کا نمائندہ ہوں۔

قومی لیڈروں کو صرف وہی اختیارات حاصل ہوتے ہیں جو قوم ان کے حوالے کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ سلبِ حیات کا اختیار صرف خدائے قادر و مختار کو حاصل ہے اور کسی قوم اور ملّت کو حاصل نہیں ہے۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ بعض مسلم مورخین کا یہ خوف کہ سرکار دو عالمؐ کے کسی اقدام میں ابتدائی جہاد کی جھلک پیدا ہو گئی تو ظلم کا الزام لگ جائے گا یا ان کا یہ انداز تحریر کہ اپنے کو ملزم سمجھ کر ہر غزوہ اور جنگ کی صفائی دیں اور اس میں کسی نہ کسی شکل میں مدافعانہ انداز پیدا کیا جائے۔ حقائق سے ایک قسم کی ناواقفیت ہے یا ذہنی احساس کمتری ہے کہ ذیلکے نادان اربابِ عقل راضی ہو جائیں اور وہ سرکار کے عمل کو صحیح اور جائز قرار دینے لگیں۔ حالانکہ ہر مسلمان مورخ، اور سیرت نگار کا فرض تھا کہ پہلے اس نکتہ کی وضاحت کرتا کہ سرکار کو خدائی نمائندہ ہونے کے اعتبار سے ابتدائی حملہ کا حق حاصل تھا اور آپ جس وقت بھی یہ حق استعمال کرتے حق بجانب ہوتے لیکن آپ نے مصالح اور حالات کے پیشِ نظر اپنے حق کو استعمال نہیں کیا اور آخر امکان تک صبر کرتے رہے اور جب صبر سے کام بگڑتا ہوا دکھائی دیا تو میدانِ دفاع میں قدم رکھ دیا۔

جہاد اور دفاع کا فرق

اصطلاحی اعتبار سے ابتدائی حملے کا نام جہاد ہے اور جوابی کارروائی کا نام دفاع ـــــ لیکن حقیقت کے اعتبار سے جہاد بھی حق سے دفاع اور دفاع بھی حق کی راہ میں ایک جہاد کا نام ہے۔

جہاد کرنے والا اس وقت جہاد شروع کرتا ہے جب ظالمین رب العالمین کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے اصول حیات کو باطل و بیکار قرار دینا چاہتے ہیں اور اس کے نظام کو لا طائل قرار دے کر اس کے مقابلہ میں دوسرے نظام کو قابل عمل تصور کر لیتے ہیں، اور دفاع کرنے والا بھی ساری جد و جہد اسی راہ میں صرف کرتا ہے کہ کسی صورت سے حق کا بول بالا رہے اور اسلام خطرات کا شکار نہ ہونے پائے۔

جہاد کے لیے نبی یا امام کی رہبری ضروری ہے۔ ان کے علاوہ کسی کے پاس اتنی صلاحیت نہیں ہوتی ہے کہ وہ اس صحیح وقت کی تعیین کر سکے جب اس طرح کا میجر آپریشن جائز ہو جائے اور انسانی خون کا بہانا قانون کے حدود کے اندر آ جائے اور بغاوت کا پیمانہ اس طرح لبریز ہو جائے کہ اس کا

علاج اس آپریشن کے علاوہ کچھ اور نہ رہ جائے۔

دفاع کے لیے کسی کی رہبری یا موجودگی کی شرط نہیں ہے۔ جس پر وقت پڑے گا اس پر دفاع واجب ہو جائے گا۔ یہ اور بات ہے کہ دفاع کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں: شخصی دفاع اور مذہبی دفاع۔

شخصی دفاع کا مطلب یہ ہے کہ انسان ذاتی طور سے کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے، چور گھر میں گھس آئے، ڈاکو گھیر لے، قاتل حملہ آور ہو جائے اور جان، مال یا آبرو خطرہ میں پڑ جائے تو ہر شخص کا ذاتی فریضہ ہے کہ ذلّت کے راستہ کو ترک کر کے مقابلہ کرے اور حتی الامکان اپنے جان، مال، آبرو کا تحفظ کرے چاہے اس راہ میں ظالم کی زندگی کا خاتمہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ البتہ اگر اپنی زندگی خطرہ میں پڑ جائے تو دفاع میں حکمت عملی کا استعمال کرے کہ اسلام مال کی راہ میں جان قربان کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے اور یہ فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے کہ جان سے زیادہ عزیز کوئی شے نہیں ہے اور جان ہی باقی نہ رہ گئی تو مال رہ کر کیا کرے گا۔

اس سلسلہ میں چند مسائل بھی قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ ہر انسان پر اپنے جان، مال اور آبرو کی طرف سے دفاع کرنا واجب ہے چاہے اس میں حملہ آور کا قتل ہی کیوں نہ ہو جائے۔

۲۔ خطرہ کا تعلق اپنی جان کے علاوہ اولاد، متعلقین، بلکہ خادم اور خادمہ سے ہو تو بھی دفاع ضروری ہے، چاہے حملہ آور کو قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

۳۔ اگر کوئی شخص زوجہ پر حملہ کرے تو اس کی عفت کا تحفظ بھی ضروری ہے چاہے حملہ آور کے قتل ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو۔

۴۔ مال پر حملہ بھی واجب الدفاع ہے چاہے جس قیمت پر ہو۔

۵۔ اگر دفاع میں اپنی جان کا خطرہ پیدا ہو جائے تو جان اور آبرو کی راہ میں دفاع واجب رہے گا۔ مال پر جان قربان نہیں کی جا سکتی ہے

۶۔ دفاع میں یکبارگی حملہ آور کے قتل تک نہیں پہونچ جانا چاہیے بلکہ تدریجی راستہ اختیار کرنا چاہیے، اور جب کوئی امکان نہ رہ جائے تو قتل کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

۷۔ احتیاط کے باوجود اگر حملہ آور کے قتل کی نوبت آ جائے تو کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن

بداحتیاطی کی صورت میں اس کی زندگی کے خاتمہ کا ضامن تصور کیا جائے گا۔

۸۔ دفاع کی صورت میں اگر فرار کرنے سے جان اور آبرو کا تحفظ ہو سکتا ہے تو قتل کا راستہ نہیں اختیار کرنا چاہیے۔ میدان جہاد سے فرار حرام ہے۔ گھر سے فرار حرام نہیں ہے۔

۹۔ دفاع بہر حال واجب ہے چاہے انسان یہ جانتا ہو کہ اس دفاع کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔۔۔ ذلت کے ساتھ سپردگی خودکشی یا زناکاری کے مترادف ہے۔

۱۰۔ اگر چور ڈاکو حملہ کرنا چاہیں اور انسان کو اطمینان ہو کہ کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتے تو دفاعی اقدام صحیح نہیں ہے اور اس صورت میں اقدام کرنے پر اگر چور یا ڈاکو قتل ہو گیا یا اس کے جسم میں نقص پیدا ہو گیا تو حملہ کرنے والا اس نقص کا ذمہ دار ہوگا۔ اسلام چور اور ڈاکو کے مقابلہ میں بھی احتیاط اور دیانت داری کی دعوت دیتا ہے۔

۱۱۔ اگر چور نے حملہ کیا اور انسان نے اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا۔ پھر جب وہ بھاگنے لگا تو دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دیا تو ایک ہاتھ کے قصاص کا ذمہ دار ہوگا کہ وہ حملہ کے خاتمہ کے بعد کاٹا گیا ہے۔

۱۲۔ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ یا اولاد پر تجاوز کرتے دیکھے تو اسے ہر طرح کا دفاع کرنے کا حق ہے چاہے بدمعاش کا قتل ہی کیوں نہ واقع ہو جائے بلکہ اجنبی مومن اور مومنہ کی آبرو کی طرف سے بھی دفاع جائز ہے اور اس کے نتائج کی بھی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

۱۳۔ اگر کسی نے اجنبی کو زوجہ کے ساتھ جماع کرتے دیکھا اور یہ اندازہ کیا کہ زوجہ بھی اس عمل سے راضی ہے تو وہ دونوں کو قتل کر سکتا ہے اور کسی کے قتل کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے چاہے زوجہ دائمی ہو یا متوعہ، مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔

۱۴۔ واضح رہے کہ یہ سارے حقوق انسان اور اس کے ظالم کے درمیان ہیں کہ دفاع کرنے والے پر شرعاً کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ لیکن اگر ظالم نے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا تو قاضی کو شرعی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنا ہوگا اور واقعی مظلوم اگر اپنے مقدمہ کو ثابت نہ کر سکا تو قاضی سزا دینے میں بہر حال حق بجانب ہوگا چاہے سزا برداشت کرنے والا واقعاً مظلوم ہو لہٰذا دفاع کرتے وقت اس نکتہ کی طرف بھی متوجہ رہنے کی ضرورت ہے۔

۱۵۔ اگر کوئی شخص کسی گھر میں جھانک رہا ہے تو صاحب خانہ کو حق ہے کہ اسے تنبیہ کرے بلکہ

بسا اوقات واجب بھی ہے اور اس کے بعد باز نہ آئے تو اسے سزا بھی دے سکتا ہے چاہے اس راہ میں بے دین کا قتل ہی کیوں نہ واقع ہو جائے لیکن دفاع کا تدریجی ہونا ضروری ہے۔ حد سے تجاوز کرنے میں دفاع کرنے والا بھی سزا کا حق دار ہو سکتا ہے۔ مظلومیت گناہوں کا سارٹیفکٹ نہیں ہے۔

۱۶۔ اگر جھانکنے والا عورتوں کا محرم ہے اور حدود شریعت کے اندر نگاہ کر رہا ہے تو صاحب خانہ کو مارنے کا حق نہیں ہے اور اگر کوئی پتھر وغیرہ مار کر زخمی کر دیا تو اس کا تاوان بھی دینا ہوگا۔۔۔ البتہ اگر حدود شریعت سے تجاوز کر کے عورت کو برہنہ یا مخصوص حالات میں دیکھنا چاہتا ہے تو تدریجاً ہر طرح کی تنبیہ کرنے کا حق ہے۔

۱۷۔ اگر جھانکنے والا نابینا ہے یا اتنی دور سے دیکھ رہا ہے جہاں سے کوئی شخص نظر نہیں آرہا ہے تو بلاوجہ تنبیہ کرنے یا پتھر وغیرہ مارنے کا حق نہیں ہے۔

۱۸۔ اگر کوئی شخص انتہائی دور سے دیکھ رہا ہے لیکن دوربین کے ذریعہ دیکھ رہا ہے تو اس کا حکم بھی قریب سے دیکھنے کا ہے اور صاحب خانہ کو ہر طرح تنبیہ کرنے کا حق ہے اور اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

۱۹۔ اگر کوئی شخص آئینہ کے ذریعہ عورت کو دیکھنا چاہتا ہے تو اس کا حکم بھی براہ راست دیکھنے والے کا ہے۔ البتہ احتیاط یہ ہے کہ اسے مارنے کے بجائے خود آئینہ کے سامنے سے ہٹ جائے یا کوئی اور وسیلہ اختیار کرلے۔

۲۰۔ اگر کسی انسان پر کوئی جانور حملہ کر دے تو اُسے ہر طرح سے دفاع کرنے کا حق ہے، اور اس کی کوئی ذمہ داری بھی نہ ہوگی۔ البتہ اگر بھاگنے سے جان بچ سکتی ہے تو بھاگ کر اپنا تحفظ کرلے گا اور جانور کو نقصان نہیں پہونچائے گا ورنہ اس کا بھی ذمہ دار ہوگا۔

مذہبی دفاع

مذہبی دفاع کی دو قسمیں ہیں: ایک دفاع میدان جنگ میں دشمن کے حملہ کے بعد ہوتا ہے جہاں پر مرد و عورت دونوں پر دفاع واجب ہوتا ہے۔ اور ہر ایک کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنے دین و مذہب سے دفاع کرے اور اس پر ہونے والے ہر حملہ کا منہ توڑ جواب دے کر دین و مذہب سے

بالآخر کوئی شے نہیں ہے نہ زندگی اور نہ سامانِ زندگی۔

دوسرا دفاع میدانِ جنگ کے علاوہ دیگر میدانوں میں ہوتا ہے جہاں دشمن بظاہر مسلح جنگ کا آغاز نہیں کرتا ہے اور نہ کسی طرح کا حملہ کرتا ہے لیکن دھیرے دھیرے حملہ کی تیاری کرتا ہے یا بلاد اسلامیہ پر سیاسی، اقتصادی، اخلاقی، تہذیبی حملے کرکے اس کے وجود یا تشخص کو تباہ کردینا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں بھی مسلمان پر دفاع واجب ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ انسان اس وقت کا انتظار کرے جب مسلح حملہ ہوجائے اور دفاع کے امکانات ختم ہوجائیں یا مشکل ہوجائیں۔

اسلام پر ہونے والے کسی بھی حملے یا حملہ کی تیاری کا جواب دینا ہر مسلمان کا فرض ہے جس طرح کا حملہ ہوگا اسی طرح کا جواب دیا جائے گا، اور جس طرح کے جواب کی ضرورت ہوگی اسی طرح کے انسان پر جواب واجب ہوگا۔ کبھی جواب ہر انسان پر واجب ہوگا، کبھی صرف صاحبانِ صلاحیت واستعداد پر واجب ہوگا، کبھی نوکِ زبان سے جواب دیا جائے گا کبھی نوکِ قلم سے کام لیا جائے گا اور کبھی جان ومال کی قربانی کے ذریعہ مقدساتِ اسلام کا تحفظ کیا جائے گا۔

مذہب کے خطرات سے آنکھ بند کرلینا اور اسے ظالمین کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا، دنیا کا سب سے بڑا جرم ہے جو کسی قیمت پر قابلِ معافی نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل مسائل قابل توجہ ہیں:

۱۔ اگر اسلامی ممالک یا سرحدوں پر ایسے دشمنوں کا حملہ ہوجائے جن سے اصل اسلام یا اس کی حیثیت واقعی کو خطرہ ہو تو تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ جان ومال کی قربانی دے کر اسلام سے دفاع کریں اور اس سلسلہ میں امامؑ یا نائب امامؑ کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ایک ہنگامی فریضہ ہے جو ہر مسلمان پر عائد ہوتا ہے اور اس کی راہ میں ہر قربانی جائز ہے۔

۲۔ اگر ممالک اسلامیہ پر کفار کے زیادہ تسلّط اور بالآخر ان پر قابض ہوجانے کا خطرہ ہو تو اس سے بھی بہرصورت دفاع واجب ہے۔

۳۔ اگر اسلامی معاشرہ پر سیاسی یا اقتصادی غلبہ کا سلسلہ شروع ہو اور نتیجہ میں سیاسی سپردگی کا خطرہ ہو تو اسی طرح کے اسباب وعوامل کے ذریعہ مقابلہ ضروری ہے اور کم سے کم قطع تعلقات تو بہرحال لازم ہے۔

۴۔ اگر تجارتی تعلقات میں کفار کے ممالک اسلامیہ پر غلبہ کا خطرہ پیدا ہوجائے اور اس راہ سے

استعمار ملک میں داخل ہورہا ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس تجارت کا بائیکاٹ کریں اور دشمنوں کے ہاتھ کاٹ دیں۔

۵۔ اگر مسلمان اور غیر مسلمان ممالک کے سیاسی تعلقات سے غیر مسلمین کے تسلط کا اندیشہ پیدا ہوجائے تو حکام کا فرض ہے کہ ان تعلقات کو فی الفور ختم کردیں اور کفار کے سیاسی نفوذ کو آگے نہ بڑھنے دیں اور عوام کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے حکام کو ان خطرات کی طرف متوجہ کریں اور وہ متوجہ نہ ہوں تو ان کی حکومت کا خاتمہ کردیں تاکہ کفار کا اثر ورسوخ بڑھنے نہ پائے اور ممالک اسلامیہ مزید خطرات سے دوچار نہ ہوں۔

۶۔ عالم اسلامی ایک عالم ہے، اسے ممالک اور شہروں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا ہے، لہٰذا ایک ملک پر حملہ سارے عالم اسلام پر حملہ تصور کیا جائے گا اور تمام ممالک کا فرض ہوگا کہ سب مل کر اس ملک سے دفاع کریں۔

۷۔ اگر ایک مسلمان ملک غیر مسلم طاقتوں سے ساز باز کرکے اسلام کو نقصان پہونچانا چاہے تو مسلمانوں کو حق نہیں ہے کہ اسے ملک کا داخلی معاملہ قرار دے کر سکوت اختیار کریں بلکہ سب کا فرض ہے کہ اس سازش کا سدباب کریں اور حکومت کو ان تعلقات کے توڑنے پر مجبور کریں تاکہ عالم اسلام کسی عظیم خطرہ سے دوچار نہ ہو۔

۸۔ اگر کسی مسلمان ملک کا حاکم یا ممبر پارلیمنٹ کفار کے سیاسی یا اقتصادی غلبہ کا سبب بن رہا ہو تو تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اسے فی الفور معزول کردیں اور اسے قرار واقعی سزا دیں اور کم از کم اس کا سماجی بائیکاٹ کریں تاکہ دوسرے افراد میں اس طرح کی سازش کا حوصلہ نہ پیدا ہو۔

۹۔ اگر کسی ملک یا فرد کے کافر ممالک یا افراد سے تجارتی تعلقات سے اسلامی بازار اور مسلمان اقتصاد کو خطرہ لاحق ہو تو تمام علماء اسلام کا فرض ہے کہ اس اقدام کے خلاف صف آرا ہوں۔ ان معاملات کو حرام قرار دیں اور امت اسلامیہ کو مقاومت پر آمادہ کریں۔ ایسا نہ ہو کہ اسلامی مملکت خطرہ میں پڑ جائے اور کفار اسلام پر غالب آجائیں۔

۱۰۔ تجارتی، سیاسی تعلقات وروابط کی طرح تہذیبی اور کلچرل تعلقات بھی ہیں کہ اگر کوئی مسلمان ذی اثر فرد یا حاکم کفار کی تہذیب اور ان کے کلچر کو رواج دینا چاہے اور اس طرح اسلامی اقدار خطرہ میں

پڑجائیں تو اس تہذیب اور کلچر کا مقابلہ کرنا ضروری ہے اور اس کی راہ میں سدِّ سکندری بن کر کھڑا ہوجانا لازم ہے۔ اسلام کا سب سے بڑا سرمایہ اس کی تہذیب، اس کا کلچر اور اس کے اپنے اقدار ہیں، ان اقدار پر کسی طرح کا حملہ برداشت نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے جو اہمیت ایک مسجد، ایک بارگاہ یا ایک مقدس مقام کی ہے، وہی اہمیت اسلامی تہذیب اور اقدار کی ہے۔ بلکہ تہذیب و اقدار پر حملہ مسجد و بارگاہ پر حملہ سے زیادہ شدید ہے کہ مسجد سے فقط ایک عمارت خطرہ میں پڑتی ہے اور تہذیب کے فنا ہوجانے سے سارا مذہب خطرہ میں پڑجاتا ہے۔ مذہب ہوا میں معلق ہونے اور کتابوں میں درج ہونے کے لیے نہیں آیا ہے۔ مذہب سماج میں رائج ہونے کے لیے آیا ہے۔ جب رواج ہی کے راستے بند ہوجائیں گے تو پھر کیا باقی رہ جائے گا اور اس کے کتابی وجود کا کیا ماحصل ہوگا؟

یہودیوں سے مقابلہ

ذی قعدہ ۶ھ میں حدیبیہ میں فتح مبین حاصل کرنے کے بعد سرکار دو عالمؐ مدینہ واپس آئے اور صرف ۲۰ دن قیام کرنے کے بعد خیبر کے لیے نکل پڑے۔ مسلمانوں کی زندگی مسلسل جہاد تھی اور سرکار دو عالمؐ اسلام کے تحفظ کا کوئی لمحہ فروگزاشت نہ کرسکتے تھے۔ مدینہ کی دس سال کی زندگی میں ۸۰ سے زیادہ مجاہدات اس بات کی دلیل ہیں کہ سرکار دو عالمؐ کو ایک لمحہ بھی چین نہیں مل سکا اور مسلمان مسلسل کمربستہ جہاد رہے کہ جیسے ہی اشارہ ملا میدان جہاد کے لیے روانہ ہوگئے۔ انجام کار سب کا مختلف رہا لیکن میدانِ جہاد تک جانے میں سب کے حوصلے بلند رہے، اور سب نے میدان تک جانے کے لیے اپنے کو آمادہ کرلیا۔ یہ تو صرف دورِ حاضر کی خصوصیت ہے کہ اسلامی فتوحات کا ڈھنڈورا پیٹنے والے مسلمان اپنے بزرگوں کی سیرت کا اس حد تک بھی اتباع نہیں کرتے کہ کم سے کم میدان جہاد تک ہی چلے جائیں بلکہ صرف فوجوں کو بھیج کر جہاد کا مقدس فریضہ ادا کردیتے ہیں اور خود قصرِ حکومت کے اندر سنہرے اور روپہلے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔

خیبر کے علاقہ کے قریب پہونچنے کے بعد سرکار دو عالمؐ نے توقف کیا اور بارگاہ احدیت میں دعا کی کہ "پروردگار! اس علاقہ کے ہر خیر سے بہرور فرمانا اور ہر شر سے محفوظ رکھنا۔" اس کے بعد آپ نے علاقہ میں قدم رکھا اور پہلا مقابلہ مرحب اور عامر کے درمیان ہوا جس میں مورخین کے قول کے مطابق عامر کام آگئے اور بعض مسلمانوں نے اسے خودکشی کا درجہ دے دیا کہ طاقت کا اندازہ کیے بغیر اور اسلحہ کا مکمل انتظام کیے بغیر مقابلہ پر کیوں گئے۔ سرکار دو عالمؐ نے ٹوک کر فرمایا، "خبردار یہ نہ کہنا، عامر نے دوہرا ثواب حاصل کیا ہے۔"

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان روزِ اوّل سے یہودیوں کے مقابلہ میں اسلحہ کی فراہمی کو اہمیت دیتے تھے اور مقابلہ سے گریز کرتے تھے جس کے نتیجہ میں کوئی مقابلہ پڑ آگیا بھی تو

اسے خودکشی کا طعنہ دیتے تھے۔ مسلمانوں کی تاریخ چودہ صدیوں میں ایک انچ بھی اپنے مرکز سے نہیں ہٹی ہے اور صورت حال آج بھی بدستور برقرار ہے کہ کوئی جہاد کے لیے تیار نہیں ہے اور سارے حکام جہاد کرنے والوں کو کمزور خیال کر رہے ہیں۔

اس واقعہ کے بعد سرکارؐ نے خیبر کا محاصرہ فرمالیا اور محاصرہ کے بعد پہلے حضرت عمر بن الخطاب فتح کے لیے برآمد ہوئے اور ان کے ناکام واپس آنے کے بعد اور ایسے حالات میں کہ قوم انھیں بزدل قرار دے رہی تھی اور وہ قوم کو بزدل بنا رہے تھے۔ سرکار دو عالمؐ نے یہ اعلان عام کردیا کہ اب میں اسے علم دوں گا جو مرد میدان، خدا و رسولؐ کا دوست، خدا و رسولؐ کا محبوب، کرار غیر فرار ہوگا، اور فتح کے بغیر واپس نہ آئے گا۔

جس کے بعد بروایت امام بخاری رات بھر مسلمان پرچم اسلام کی تمنا میں بے چین رہے اور صبح کو جب سرکارؐ نے سوال کیا کہ علیؑ کہاں ہیں؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ آپ نے انھیں بلاکر آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور مکمل شفایاب بنا کر پرچم اسلام دے کر روانہ کردیا۔

فرمایا، پہلے اسلام کی دعوت دینا اور حقوق الٰہیہ یاد دلانا کہ ایک شخص کو بھی راستہ پر لگا دینا، بہترین سرخ اونٹوں سے بہتر نعمت پروردگار ہے، اس کے بعد جہاد شروع کرنا۔ حیدر کرار کے میدان میں آنے کے بعد پھر مرحب میدان میں آیا اور رجز خوانی شروع کی۔ آپ نے رجز کا جواب دیتے ہوئے ایک حملہ کیا اور مرحب کے دو ٹکڑے کردیے جس کے بعد خیبر آپ کے ہاتھوں پر فتح ہوگیا۔

امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں اس واقعہ کا اندراج کیا ہے۔

حافظ ابو عبداللہ نے ابو رافع سے روایت کی ہے کہ مقابلہ کے دوران علیؑ کے ہاتھ سے سپر گر گئی تو آپ نے خیبر کے دروازے کو سپر بنا لیا اور برابر جہاد کرتے رہے اور فتح کے بعد اس دروازہ کو پھینک دیا تو ہم آٹھ آدمیوں نے اسے حرکت دینا چاہا اور نہ دے سکے۔

جابر بن عبداللہ انصاری کی روایت ہے کہ ۴۰ آدمی بھی اسے نہ اٹھا سکے۔ دوسری روایت میں ۷۰ آدمیوں کا ذکر ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی عیسیٰ کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ گرمی میں گرم اور سردی میں سرد لباس پہنا کرتے تھے اور موسم کی پرواہ نہ کرتے تھے تو میرے بعض ساتھیوں نے مجھ سے اس راز کو دریافت کیا۔ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ خیبر کے میدان میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے

شکست کھا جانے کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے اعلان کیا کہ اب علم کرار غیر فرار کو دوں گا، اور اس کے بعد علم علیؑ کو دے کر روانہ کیا تو یہ دعا دی کہ "خدایا انھیں سرد و گرم زمانہ سے محفوظ رکھنا" اس دعا کا اثر ہے کہ ان کے اوپر موسم کا اثر نہیں ہوتا ہے۔ (یہ تمام تفصیلات دلائل النبوۃ علامہ بیہقی میں موجود ہیں۔

خیبر کا آخری قلعہ "قلعہ قموص" تھا جس کا سردار ابوالحقیق تھا۔ اس کے فتح ہونے کے ساتھ ابوالحقیق کے فرزند نے سرکار دو عالمؐ سے معاہدہ کرلیا اور اس کے بعد اہل فدک بھی معاہدہ پر تیار ہوگئے اور اسلام نے جن ہاتھوں سے حدیبیہ میں فتح حاصل کی تھی، انھیں ہاتھوں سے خیبر بھی فتح کرلیا۔

اس واقعہ کے بعض حساس پہلوؤں کو نظر انداز کرنے کے بعد بھی حسب ذیل مسائل سامنے آتے ہیں:

۱۔ یہودیوں کا مقابلہ اتنا سخت مقابلہ تھا کہ کسی ایک شخص کا ذکر نہیں ہے پورا لشکر اسلام کم از کم دو مرتبہ زور آزمائی کرکے واپس آگیا تھا اور قلعہ کو فتح نہ کرسکا تھا بلکہ ایسی شان سے واپس آیا کہ لشکر سردار کو کمزور کہہ رہا تھا اور سردار لشکر کو بزدل قرار دے رہا تھا، اور یہ صدر اسلام کی حقیقت پسندی کا ایک نمونہ تھا کہ سارے مسلمان بزدل کو بزدل کہہ رہے تھے اور اسے کسی طرح کی توہین یا دل آزاری نہیں سمجھ رہے تھے۔ آج کے مسلمان تو اس حقیقت پسندی سے بھی محروم ہوگئے ہیں کہ یہودیوں کے مقابلہ میں اپنا علاقہ چھوڑ کر باہر نکل جاتے ہیں اور پھر " ✓ " کامیابی کا نشان بنا کر نکلتے ہیں۔ گویا ان کی نگاہ میں میدان جہاد سے فرار بھی ایک طرح کی کامیابی ہے، جب کہ سرکار دو عالمؐ کا اعلان آج بھی فضا میں گونج رہا ہے کہ یہودیوں کے مقابلہ میں ایسے مجاہدین کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے مقابلہ کے لیے "کرار غیر فرار" درکار ہے، اور جب تک ایسا مجاہد فراہم نہیں ہوگا یہودیوں کا قلعہ فتح نہیں ہوسکتا۔

۲۔ سرکار دو عالمؐ نے اسلام و کفر کے ہر مقابلہ میں دفاعی انداز اختیار کیا ہے کہ دشمن اپنے علاقہ کے قریب آجائے تو میدان جہاد میں قدم رکھیں۔ لیکن یہودیوں کے مقابلہ میں خیبر تک جانے کا ارادہ کرلیا اور تشریف لے گئے اور سارے مسلمان ساتھ گئے کہ سب کو احساس تھا کہ جنگی اقدامات کے لیے حالات پر نگاہ رکھنا ضروری ہے اور یہودی سازش

کا جواب اپنے علاقہ میں ان کا انتظار کرنا نہیں ہے بلکہ ان کے علاقہ میں ان سے مقابلہ کرنا اور وہیں ان کی کمر کو توڑ دینا ہے۔

آج کے مسلمان اس طرزِ عمل سے بھی سبق لینے کے لیے تیار نہیں ہیں اور جہاد کے بجائے یہودیوں سے ذلت آمیز صلح کی تدبیریں نکال رہے ہیں بلکہ ان کے لیے علاقہ خالی کر کے اپنے علاقہ کو ان کے تسلط میں دے دینا چاہتے ہیں جو سرکار دو عالمؐ کے طرزِ عمل اور سنت و سیرت کی صریحی خلاف ورزی ہے۔

۳۔ قرآن مجید نے صریحی طور پر اعلان کیا ہے کہ یہودی تمنائے موت نہیں کر سکتے۔ ان کا کام موت سے فرار کرنا ہے موت کی آرزو کرنا نہیں ہے اور مسلمان ان یہودیوں سے بھی فرار کر رہے ہیں جن کی شان فرار کرنا ہے تو گویا یہ بھی قرآن مجید کے ارشادات سے کھلی ہوئی غفلت اور قرآن کی کھوکھلی اور بے جان تلاوت کا نتیجہ ہے۔

۴۔ استعمار کی قدیم ترین سازش یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلحوں میں اُلجھا دیا جائے، اور جہاد کی حقیقی روح 'ایمان و اعتماد' سے محروم بنا دیا جائے۔ اسی لیے جب ایک مسلمان اسلحہ سے بے نیاز ہو کر میدانِ جہاد میں آگیا تو سب اس پر اعتراض کرنے لگے اور اس کی موت کو بھی گویا خودکشی کا درجہ دینے لگے۔ کفار کو اس سازش کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اس طرح ان کے اسلحے بکتے رہیں گے اور مسلمانوں کو یہ احساس رہے گا کہ ہمارے پاس اسلحے انھیں سے خریدے ہوئے ہیں اور اُن کے پاس خود اپنے بنائے ہوئے ہیں لہٰذا ان سے مقابلہ ممکن نہیں ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب خریدا ہوا مال، صاحبِ مال کے مال کے برابر نہیں ہو سکتا اور مقابلہ ممکن نہیں ہے تو مسلمانوں کا سرمایہ ضائع و برباد کرنے اور اسے کفار کی جیب میں ڈالنے کا کیا فائدہ ہے؟ اور یہ خریداری کی دوڑ کیوں نہیں ختم ہو رہی ہے۔ صلح یا بیعت یا ضمیر فروشی کسی کام کے لیے اسلحہ کی خریداری کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ہر حال میں ہو سکتی ہے اس کے لیے صرف ایمان کی کمزوری کی ضرورت ہے اور وہ مسلمانوں کے پاس موجود ہے۔ سرکار دو عالمؐ نے انھیں حالات کو نگاہ میں رکھنے کے بعد فاتح خیبر کے صفات میں کرّاریت اور محبت خدا و رسولؐ جیسے اوصاف کا ذکر کیا تھا اور اسلحہ و فوج کا ذکر نہیں آنے دیا تھا کہ اس طرح روح اسلام کمزور نہ ہو جائے

اور مسلمان ایمان کے بجائے اسلحہ پر اعتماد نہ کرنے لگیں۔

۵۔ یہودیوں کا طریقۂ کار یہ بھی رہا ہے کہ وہ قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرتے ہیں اور اسلام اپنے علاقہ سے سیکڑوں میل دور جا کر مقابلہ کرتا ہے کہ اس کے حوصلے کا اندازہ بھی ہو جائے اور دشمن کے حوصلے پست بھی ہو جائیں۔ لیکن مسلمانوں نے اس طرزِ عمل سے بھی فائدہ نہیں اُٹھایا اور یہودیوں کا محاصرہ کرنے کے بجائے انھیں مزید قلعہ بنانے کے لیے زمین فراہم کرنے لگے۔ خدا اس اسلام اور اس امت اسلامیہ پر رحم کرے۔

ضرورت ہے آج اسلام کے احیاء اور روح اسلام کی تازگی کی کہ یہودیوں سے صحیح طریقہ سے مقابلہ کیا جائے، اس میں "کرّار غیر فرار" کے پیرو لائے جائیں کہ اس کے بغیر یہ مقابلہ ممکن نہیں ہے۔ ہمارا اسلام ان مجاہدینِ اسلام پر جو اسلحہ سے بے نیاز ایمان کی طاقت سے یہودیوں کو پسپا کر رہے ہیں اور جن یہودیوں کے خوف سے "آہنی مردوں" نے اپنا علاقہ چھوڑ دیا تھا انھیں اپنے علاقہ سے باہر نکلنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ مجاہدین اسلام زندہ باد، فاتح خیبر زندہ باد، یہودیت مردہ باد!

معراجِ رسولِ اکرمؐ

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیؐ سے ہمیں
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

۲۷ رجب کی شب عالمِ اسلام میں وہ عظیم رات ہے جسے "شب معراج پیغمبرؐ" کہا جاتا ہے۔ معراج کی داستان قرآن مجید میں دو مقام پر تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ ایک مرتبہ سورۂ اسرا میں اور دوسری مرتبہ سورۂ والنجم میں ___ بعض علمار کرام نے انھیں خصوصیات کے پیشِ نظر یہ راستہ اختیار کیا ہے کہ سرکارِ دو عالمؐ کو کم از کم دو مرتبہ معراج ہوئی ہے۔ ایک کا حال سورۂ اسرا میں بیان ہوا ہے جس کا ظاہری سفر مسجد اقصیٰ پر تمام ہو گیا تھا اور دوسری کا تذکرہ سورۂ والنجم میں ہے جہاں سدرۃ المنتہیٰ اور قاب قوسین تک کا تذکرہ ہے۔ اس سلسلہ میں یہ احتمال بھی پایا جاتا ہے کہ یہ دو سفر ہوں اور یہ احتمال بھی ہے کہ ایک ہی سفر کے دو مرحلہ ہوں۔ ایک مرحلہ مسجد اقصیٰ پر تمام ہوا ہو، اور دوسرا مرحلہ مسجد اقصیٰ سے شروع ہوا ہو اور عرش اعظم پر تمام ہوا ہو۔ بہرحال صورت واقعہ کچھ بھی ہو، نہ سرکارؐ کی معراج میں کوئی شک ہو سکتا ہے اور نہ روایات کے پیش نظر تعدد معراج میں کوئی شک کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ صرف یہ ہے کہ اس معراج کا مقصد کیا تھا اور اس کے تذکرہ کی ضرورت کیا تھی!

"عرش نشین" پیغمبرؐ آسمان پر چلا گیا تو یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے اور رب کریم نے اسے اپنی بارگاہ میں بلا لیا تو یہ کوئی جائے حیرت نہیں ہے اور اسے کچھ آیات اور نشانیاں بھی دکھلا دی گئیں تو یہ بھی بظاہر کوئی مسئلہ نہیں ہے، یہ حبیب اور محبوب کے درمیان کا مسئلہ ہے۔ وہ زندگی بھر وحی کے ذریعہ مخفی گفتگو کرتا رہا اور اس کے درمیان راز و نیاز کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا تو یہ اس کی محبت اور عنایت کا

تقاضا ہی تھا، اس سے امت کا کیا تعلق ہے؟ لیکن قرآن مجید میں اس تذکرۂ معراج کا محفوظ ہونا اور پھر مختلف مقامات پر محفوظ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ قدرت اس تذکرہ کو اہلِ دنیا تک پہونچانا چاہتی ہے اور اس کے ذریعہ عالمِ انسانیت کو درسِ زندگی دینا چاہتی ہے۔

علّامہ اقبال نے تذکرۂ معراج سے یہ سبق لیا ہے کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں۔ لیکن اس زد میں آنے کا مقصد کیا ہے اور اس کا ماحصل کیا ہے اس کی وضاحت نہیں کی ہے اور شاید اس کا راز یہ ہے کہ وہ اپنے دور میں مسلمانوں کا جمود توڑنا چاہتے تھے اور ان میں خود اعتمادی اور خودی کو بیدار کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے ذکر معراج سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امت اسلامیہ کو ہوشیار کر دیا کہ بشر کا کام خاک سے وابستہ رہنا نہیں ہے۔ اس کا کام ارتقا ہے اور اس کی منزل بلند ہے۔ اس کا فرض اپنے کو اس طرح اونچا کرنا ہے جس طرح معراج مصطفیٰؐ نے اونچا ہونا سکھایا ہے۔

لیکن علامہ اقبال نے اس نکتہ کو نظر انداز کر دیا کہ قرآن مجید نے بشریت کی معراج کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ قدرت نے ملائکہ کو اس نکتہ کی طرف متوجہ کیا ہے کہ تم ایک مقام پر ٹھہر جاتے ہو اور بشر آگے نکل جاتا ہے ___ بلکہ قدرت نے مقام محبت و محبوبیت کا بھی ذکر نہیں کیا ہے کہ یہ سب آثار محبت اور آثار محبوبیت ہیں ___ اس نے تو اسریٰ بعبدہٖ کہہ کر مقامِ عبدیت کا اعلان کیا ہے کہ آج کا جانے والا اور عرش اعظم تک جانے والا، سید الملائکہ سے بہت آگے جانے والا، انبیاء کرام کی امامت کرنے والا ایک عبد، بندۂ خدا ہے جس کا مقام عبدیت اس قدر بلند ہے کہ وہاں تک کسی کی رسائی نہیں ہے، تاکہ بندگانِ خدا میں شعورِ بندگی پیدا ہو اور وہ مقام عبدیت کو پہچانیں۔ انھیں اندازہ ہو کہ بندہ مقام بندگی میں کامل ہوتا ہے تو عرش و کرسی کی بلندی تک پہونچ جاتا ہے۔ چاہے صاحبِ معراج بن کر پہونچ جائے یا "لہجہ گفتگو کا نمونہ بن کر پہونچ جائے، اور یہی وہ بات ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید کے لیے ضروری تھا کہ وہ رب العالمین کی "کتاب تربیت" ہے اور اس کے ذریعہ پروردگار نے اپنے بندوں کی فکری اور ذہنی تربیت کا انتظام کیا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ اپنے دامن میں ایسے تذکرہ کو محفوظ رکھے جس سے مقام بندگی کی عظمت کا اندازہ ہو، اور انسان کا شعورِ بندگی بیدار ہو ___ وہ بندۂ خدا بنے اور بندگانِ خدا میں شامل ہو جائے ورنہ سرکارِ دو عالمؐ کے لیے معراج میں جانا نہ کوئی کمال ہے نہ کوئی انوکھی بات کہ اس کے تذکرہ کو اس شد و مد کے ساتھ

بیان کیا جائے اور اسے مختلف مقامات پر تفصیل کے ساتھ محفوظ کیا جائے۔ آیت اسرا نے معراج کے جن خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے ان کا خلاصہ بھی درج ذیل ہے؛

۱۔ آیت اسرار کی ابتدار غیبت کے عنوان سے ہوئی ہے۔" اسریٰ۔ بعبدہٖ " اور عبدیت کے مسجد اقصیٰ تک پہونچنے کے بعد تکلّم کا عنوان پیدا ہوگیا ہے۔ " بارکنا۔ لنریہٗ۔ آیاتنا۔۔ اس کے بعد جب سفر تمام ہوجاتا ہے اور تذکرۂ معراج بندگی ختم ہوجاتا ہے تو پھر لہجۂ اول واپس آجاتا ہے۔

اس انداز بیان میں یہ واضح اشارہ ملتا ہے کہ عبدیت کی معراج حقیقتاً خدا کا غیبت سے نکل کر منزل شہود و حضور میں آجانا ہے اور اس کے بغیر بندگی، بندگی کہے جانے کے قابل نہیں ہے۔

سورۂ حمد میں بھی اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ آغاز بیان میں خدا کی غائبانہ حمد ہے۔ اس کے بعد جب بندگی کا ذکر آیا تو لہجہ "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" ہوگیا، اور منزل شہود و حضور سامنے آگئی اور گویا خدائے غائب بندے کی نگاہوں کے سامنے آگیا، اور یہی بات مولائے کائنات نے اس وقت فرمائی تھی جب ذِعلب یمانی نے سوال کیا تھا کہ یا علیؑ! کیا آپ نے اس خدا کو دیکھا ہے جس کی بندگی کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا تھا "کَیْفَ اَعْبُدُ رَبًّا لَمْ اَرَهٗ" میں اس خدا کی بندگی کیونکر کر سکتا ہوں جس کو دیکھا نہ ہو۔۔ یعنی بندگی کا قوام حضور و شہود سے ہے، غائب کی بندگی نہیں ہوتی ہے۔ اَن دیکھی عبادت عبادت نہیں ہے۔ عبادت اور بندگی کی شان یہ ہے کہ معبود کا جلوہ نگاہوں کے سامنے رہے یہ اور بات ہے کہ اس کا مشاہدہ مادی آنکھوں سے نہیں ہوتا ہے وہ دل کی آنکھوں اور ایمان کے نور سے دیکھا جاتا ہے۔

۲۔ معراج پیغمبرؐ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ بندگی میں یہ صلاحیت بھی پائی جاتی ہے کہ وہ آلات و اسباب کے بغیر آسمانوں کی طرف بلند ہو سکتی ہے۔ بندگی میں کمزوری ہوتی ہے تو آلات و اسباب تلاش کیے جاتے ہیں۔۔ اور بندگی کامل ہوتی ہے تو عروج بشر آلات کا محتاج نہیں رہ جاتا۔

جنگ خیبر میں مولائے کائنات کا دوشِ ہوا پر بلند ہونا اسی معراجِ بندگی کا ایک نمونہ تھا اور علیؑ کے لیے یہ بھی کوئی کمال نہیں تھا کہ جو انسان دوشِ پیغمبرؐ پر بلند ہو سکتا ہے اس کے لیے دوشِ ہوا پر بلند ہونا کیا مقام رکھتا ہے۔

حکیم الٰہی نے حضرت عیسیٰ کے تذکرہ کے موقع پر فرمایا تھا کہ "اگر ان کا یقین اور زیادہ بلند ہوجاتا تو وہ پانی کے بجائے ہوا پر چلنے لگتے"۔ گویا کمالِ یقین کمالِ بندگی کی ایک نشانی ہے کہ جس کا جتنا یقین کامل ہوگا اتنا ہی اس کی بندگی میں اضافہ ہوتا جائے گا اور جب "لَوْ کُشِفَ" کی منزل آجائے گی تو ایک ضربت ثقلین کی عبادت پر بھاری ہو جائے گی۔

۳۔ سفرِ معراج سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ عبدیت کے لیے زمان و مکان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ بندہ کم سے کم وقت میں بھی طویل ترین فاصلہ طے کر سکتا ہے اور اس کی عظمت کے لیے مکہ و مدینہ کوئی منزل نہیں ہے۔ وہ زمین پر بھی رہ سکتا ہے اور آسمان پر بھی۔ مسجد الحرام میں بھی عبادت کر سکتا ہے اور مسجد اقصیٰ میں بھی۔ وہ زمین پر بھی امامت کر سکتا ہے اور بزم انبیاء میں بھی۔

۴۔ معراج نے اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا ہے کہ مسلمان کے لیے مسجد الحرام اور مسجد اقصیٰ دو الگ چیزیں نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے رسولؐ نے ایک نماز مسجد الحرام میں ادا کی ہے، اور ایک مسجد اقصیٰ میں۔ مسجد اقصیٰ کی حیثیت قبلہ کی رہے یا نہ رہے اس کی عظمت معراجِ پیغمبرؐ کی نشانی ہے اور اس کا تحفظ ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اسے یہودیوں کے حوالہ کر دینے کی خفیہ سازش کرنا معراج پیغمبرؐ کی عظمت کا انکار اور سرکار دو عالمؐ سے کھلی ہوئی غداری ہے۔ ایسے غداروں کو نہ "مردِ آہن" کہا جا سکتا ہے نہ "مردِ مومن"۔ مردِ مومن شعائرِ ایمان کا تحفظ کرتا ہے۔ شوقِ حکومت میں ایمان کا سودا نہیں کرتا ہے۔

۵۔ سرکارِ دو عالمؐ کا انبیاء کرام کو نماز پڑھانا علامت ہے کہ اسلام کے آنے کے بعد کسی قانون یا شریعت کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ اب سب کو اسی ایک قانون کا اتباع کرنا ہے اور جملہ صاحبان شریعت کو اسی قانون کے تحت بندگی پروردگار کرنا ہے۔ بندگی بندگی ہے تو اس میں شخصیت کی گنجائش نہیں ہے۔

انبیاء کرام بھی اسی جذبہ کے تحت ماموین کی صفوں میں کھڑے ہو گئے کہ جب میں صاحب شریعت تھا تو اپنی شریعت کے مطابق بندگی کرتا تھا اور جب آخری صاحبِ شریعت آگیا تو اب اس کی شریعت کے مطابق بندگی کرنا ہوگی۔۔ اور اس کا ایک نمایاں منظر اس دن دیکھنے میں آئے گا جب آخری شریعت کا وارث امام جماعت ہوگا اور حضرت عیسیٰ بن مریم اس کے پیچھے نماز ادا کر رہے

ہوں گے۔

معراجِ پیغمبرؐ کے سلسلہ میں یہ بات بھی تشنۂ بیان نہ رہ جائے کہ سفرِ معراج کا سلسلہ جناب اُمِّ ہانی بنت ابی طالبؑ کے گھر سے شروع ہوا ہے اور اس کے خاتمہ پر میزبانی یا ترجمانی کے فرائض علیؑ بن ابی طالبؑ نے انجام دیے ہیں اور مرسلِ اعظمؐ سے گفتگو انھیں کے لہجہ میں ہوئی ہے۔ یعنی معراج کی ابتدا اور انتہا دونوں میں ابوطالبؑ کی اولاد کا حصہ ہے۔ اب اس سے زیادہ خوش قسمتی کیا ہوگی کہ انسان کی تاریخِ عظمت، عظمتِ پیغمبرؐ سے مل جائے اور اُس کے گھرانے کے تذکرہ کے بغیر تذکرۂ معراجِ رسولؐ بھی ناتمام رہ جائے۔ والحمد للہ اولاً و آخراً۔

سیرت النبی الاعظمؐ

اس وقت آپ کے سامنے آستانِ قدس امام رضا علیہ السلام کی طرف سے شائع کیے جانے والے ایک رسالے کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جس میں سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفٰےؐ کی سیرتِ مبارکہ پر لکھی جانے والی کتابوں کی مختصر فہرست پیش کی گئی ہے۔ اس اشاعت کا مقصد ریسرچ اسکالرز کے لیے مطالعہ کی سہولت کا فراہم کرنا بھی ہے اور تفرقہ پرداز عناصر کی تردید بھی ہے۔ جن کا خیال ہے کہ ملتِ شیعہ نے سیرتِ پیغمبرؐ پر کوئی کام نہیں کیا ہے یا شیعوں کا عقیدہ معاذ اللہ نبوتِ مرسلِ اعظمؐ پر نہیں ہے۔ فہرست میں دونوں فریق کے علماء کی کتابوں کا تذکرہ ہے لیکن اہلِ نظر ان کے درمیان بخوبی محسوس کر سکتے ہیں کہ علماءِ شیعہ نے روزِ اوّل سے سیرت و کردارِ مرسلِ اعظمؐ پر کس قدر کام کیا ہے اور کتنی عرق ریزی اور جانفشانی سے کام کیا ہے۔

کتابوں کی فہرست کے ساتھ صفحات، طباعت، مصنف وغیرہ کی نشان دہی بھی کردی گئی ہے۔

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۱۔ آدابِ معاشرت محمدؐ	فارسی	۸۰	تہران	محسن فیض کاشانی
۲۔ الآثار النبویہ	عربی	۱۴۰	عیسٰی البابی الحلبی	احمد تیموریان
۳۔ آمنہ مادر محمدؐ	فارسی ترجمہ	۱۰۰	تہران	ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۴۔ آئینۂ اسلام	فارسی ترجمہ	۳۰۶	تہران	طٰہٰ حسین
۵۔ احتجاجاتِ رسول اکرمؐ	عربی	۳۰۲	"	ابومنصور احمد طبرسی
۶۔ احمد موعود انجیل	فارسی	۲۲۰	"	جعفر سبحانی
۷۔ الحوار فی القرآن	عربی	۴۰۷	بیروت	محمد حسین فضل اللہ
۸۔ اخلاقِ محمدؐ	فارسی	۱۵۱	تہران	سید محمد جواد غروی
۹۔ اخلاق و کردار محمدؐ	"	۷۶	قم	شیخ عباس قمی
۱۰۔ الدعوۃ والدولۃ	عربی	۳۴	کویت	....دار التوحید
۱۱۔ الاذکار المنتخبہ	"	۳۷۶	مصر	یحییٰ بن شرف النووی
۱۲۔ الرسول یحدثنا	"	۵۶	تہران	ازطرف مسجد جامع
۱۳۔ ازہجرت تا وفات	فارسی	۱۳۷	"	علی شریعتی
۱۴۔ اسس الدعوۃ المحمدیہ	عربی	۸۶	نجف	مہدی البصری
۱۵۔ اشتراکیۃ محمدؐ	"	۳۵۰	بیروت	محمد شلبی
۱۶۔ اشیٔ من حیات الرسولؐ	"	۵۸	نجف	عبدالامیر قبلان
۱۷۔ اصحاب رسول اکرمؐ	فارسی ترجمہ	۱۶۱	تہران	محمد علی بحر العلوم
۱۸۔ الاعتذار	عربی ترجمہ	۱۹۲	"	ڈاڈیونپورٹ جان
۱۹۔ اعلام النبوۃ	عربی	۳۵۳	"	ابوحاتم الرازی
۲۰۔ اعیان الشیعہ	"	۶۴۸	بیروت	السید محسن الامین العاملی
۲۱۔ افق وحی	فارسی	۴۴۸	تہران	الحاج میرزا خلیل کمرہ
۲۲۔ افکار جاوید محمدؐ	فارسی ترجمہ	۲۱۹	"	محمد علی لاہوری
۲۳۔ رقیۃ النبی محمدؐ	عربی	۲۳۸۰	دارالکتب الحدیثہ	ناصح الدین الانصاری
۲۴۔ الاکتفا فی مغازی الرسولؐ	"	۴۹۵	قاہرہ	ابوالربیع الاندلسی

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۲۵۔ انقلاب تکاملی اسلام	فارسی	۸۹۲	تہران	جلال الدین فارسی
۲۶۔ الانوار فی مولد النبیؐ	عربی	۲۵۸	نجف	ابوالحسن البکری
۲۷۔ الانوار المحمدیہ	"	۶۳۲	....	یوسف بن اسماعیل النبہانی
۲۸۔ الہجرۃ والقرآن	"	۱۵۰	تہران	دار التوحید
۲۹۔ ایضاح الانباء	فارسی	۸۳	تبریز	علی بن موسیٰ شفیع
۳۰۔ بازرگانی محمدؐ	"	۹۶	تہران	علی رضا ریحانی
۳۱۔ بانگ تکبیر	"	۲۳۹	"	حسینیہ ارشاد
۳۲۔ بحار الانوار	عربی	۸۰جلد جدید	"	محمد باقر مجلسی
۳۳۔ بشارات عہدین	فارسی	۲۹۹	"	محمد صادقی
۳۴۔ بعثت و دولت	"	۴۸	"	مہدی بازرگان
۳۵۔ بعثت در اجتماع	"	۵۳	"	عبدالعلی بازرگان
۳۶۔ بعثت عاشورا	"	۲۸	"	محمد باقر بہبودی
۳۷۔ بین الجاہلیۃ والاسلام	عربی	۳۱۵	بیروت	محمد مہدی شمس الدین
۳۸۔ پندہائی گران مایہ	فارسی	۶۴	تہران	ابوطالب تبریزی
۳۹۔ پیام	"	۴۳	"	میرزا زادہ نعمت
۴۰۔ پیامبر	"	۷۵۲	"	زین العابدین رہنما
۴۱۔ پیامبر اسلام	"	۲۵۵	قم	علی دوانی
۴۲۔ پیامبر اُمّی	"	۹۳	"	مرتضیٰ مطہری
۴۳۔ پیامبر در مکہ	"	۸۴	"	علی اکبر پرورش
۴۴۔ پیامبر و منافقین	"	۷۱	تہران	سیدرس سعیدی
۴۵۔ پیامبر و آئین نبرد	"	۵۷۴	"	مصطفیٰ طلاس

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۴۶۔ پژوہشی دربارہ قرآن	فارسی	۳۵۶	تہران	فخرالدین حجازی
۴۷۔ پیشگوئیہائی محمدؐ	〃	۱۵۴	قم	ہادی خوئینی
۴۸۔ التاج الجامع	عربی	۵ جلد	مصر	منصور علی ناصف
۴۹۔ تاثیر شخصیت محمدؐ	فارسی	۲۱۸	تہران	محمد علی خلیلی
۵۰۔ تاریخ الائمہ	〃	۲۰۶	〃	واعظ تبریزی
۵۱۔ تاریخ النبی احمدؐ	عربی	۲۶۰	صیدا	حسن الحسینی اللواسانی
۵۲۔ تاریخ پیغمبر خاتم	فارسی ترجمہ	۲۸۴	تہران	〃
۵۳۔ تاریخ تمدن اسلام	فارسی	۴۰۰	〃	ہادی خاتمی بروجردی
۵۴۔ تاریخ تمدن	فارسی ترجمہ	۳۶۱	〃	ویل دورانٹ
۵۵۔ تاریخ جہاد خیبر	〃	۳۴	〃	جعفر جمال عبدالصائب
۵۶۔ تاریخ شخصیت پیغمبرؐ	فارسی	۲۹۲	قم	عباس صفائی حائری
۵۷۔ تاریخ طبری	عربی	دو جلد	قاہرہ	محمد بن جریر طبری
۵۸۔ ترجمہ تاریخ طبری	فارسی	〃	تہران	ابوالقاسم پائندہ
۵۹۔ تاریخ مجاہدات پیغمبرؐ	〃	۵۴۸	〃	عباس صفائی حائری
۶۰۔ تاریخ مطہر	〃	۱۴۸	〃	اکبر مظفری
۶۱۔ تاریخ مقدس	فارسی ترجمہ	۳۲۵	〃	ارونگ واشنگٹن
۶۲۔ تاریخ منظوم	فارسی	۲۲۶	قم	علی دعوتی
۶۳۔ تاریخ نبوی	فارسی ترجمہ	۱۵۳	تہران	داریر بن یوسف
۶۴۔ تاریخ یعقوبی	عربی	۲۴۷	نجف	ابن واضح یعقوبی
۶۵۔ ترجمہ تاریخ یعقوبی	فارسی	۶۱۰	تہران	محمد ابراہیم آیتی
۶۶۔ تبلیغ پیغمبرؐ	〃	۳۸	〃	مہدی بازرگان

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۶۷۔ تنبیہ الانام	عربی	۲۴۲	مصر	عبدالجلیل بن عظوم
۶۸۔ تہذیب سیرۃ ابن ہشام	〃	۶۱۳	〃	عبدالسلام ہارون
۶۹۔ جلوہ ای از چہرۂ محمدؐ	فارسی	۳۲۰	قم	مجتبیٰ موسوی کاشانی
۷۰۔ مجموعہ پیکار و بزم	〃	۵ جلد	〃	علی دوانی
۷۱۔ جوامع السیرۃ	عربی	۴۷۲	مصر	ابو محمد سعید بن حزم
۷۲۔ جہان در عصر بعثت	فارسی	۱۵۰	تہران	محمد جواد باہنر
۷۳۔ جیش اسامہ	عربی	۱۲۴	تہران	محمد بن حسن شیروانی
۷۴۔ چہل دستور جامع	فارسی	۱۴	تہران	نقل از مجموعہ ورام
۷۵۔ حجۃ اللہ علی العالمین	عربی	۶۹۸	ترکیہ	یوسف بن اسماعیل نبہانی
۷۶۔ حجۃ الوداع	〃	۲۰۸	ہند لکھنؤ	محمد زکریا کاندھلوی
۷۷۔ حماسۂ شہیداں	فارسی	۲۲۶	قم	ہادی راستباز
۷۸۔ حیات النبیؐ	اردو	۳۶۰	لاہور	نور حسین جنگ سیالوی
۷۹۔ حیات محمدؐ	ترکی	۲۲۶	استانبول	لطف احمد
۸۰۔ حیات محمدؐ	عربی	۶۲۴	مصر	محمد حسین ہیکل
۸۱۔ حیات محمدؐ	عربی ترجمہ	۳۷۹	دار الاحیاء	عادل زعیتر
۸۲۔ حیات محمدؐ و رسالتہ	عربی	۳۰۲	بیروت	مولانا محمد علی
۸۳۔ حیاۃ القلوب	فارسی	۷۰۴	تہران	علامہ محمد باقر مجلسی
۸۴۔ خاتم النبیینؐ	〃	۳۴۹	〃	عباس شوشتری مہرین
۸۵۔ 〃	عربی	۳۶۴	مصر	محمد خالد
۸۶۔ ختم نبوت	فارسی	۱۰۲	تہران	مرتضیٰ مطہری
۸۷۔ 〃	اردو ترجمہ	۷۹	راولپنڈی	محمد خالد فاروقی

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۸۸۔ خاتمیت	فارسی	۲۳۹	تہران	علی امیر پور
۸۹۔ خاتمیت از دیدگاہ عقل	″	۲۴۲	″	جعفر سبحانی
۹۰۔ ہجرت محمدؐ	″	۹۵	″	علی قائمی
۹۱۔ خطوط اساسی سیاست	″	۳۹	″	ح۔ خ
۹۲۔ خورشیدی کہ از مکہ طلوع کرد	″	۲۴۵	″	عبدالامیر فولاد زادہ
۹۳۔ داستانہائے از زندگی	فارسی ترجمہ	۱۴۰	″	ممتاز احمد پاکستانی
۹۴۔ در آستانہ ساغر او پیغمبرؐ	فارسی	۳۰۴	″	محمود رامیار
۹۵۔ دراستہ فی السیرۃ	عربی	۴۰۷	موسسۃ الرسالۃ	عماد الدین خلیل
۹۶۔ الدرر	″	۳۵۲	قاہرہ	یوسف بن عبداللہ النمری
۹۷۔ در مکتب وحی	فارسی	۱۲۹	تبریز	جعفر سبحانی
۹۸۔ درود محمدیؐ	″	۲۲۶	تہران	حسن رضوی قمی
۹۹۔ دعوت محمدی	″	۲۷۴	″	عبدالمطلب اردوبادی
۱۰۰۔ دلائل الخیرات	عربی	۱۸۷		محمد بن سلیمان الجزولی
۱۰۱۔ دلائل النبوۃ	″	۵۶۶	حیدرآباد	ابو نعیم احمد بن عبداللہ
۱۰۲۔ دو گواہ بزرگ	فارسی	۹۰	اصفہان	ابوالفضل میرلوحی
۱۰۳۔ دولت الرسولؐ	عربی	۲۲۴	کویت	احمد ابراہیم الشریف
۱۰۴۔ الدین وتاریخ الحرمین	″		مصر	عباس کرارہ
۱۰۵۔ راز بہشت	فارسی	۲۴۵	تہران	ابوتراب ہدائی
۱۰۶۔ راز بزرگ رسالت	″	۴۹۲	″	جعفر سبحانی
۱۰۷۔ راہ محمدؐ	فارسی ترجمہ	۳۴۴	″	عباس محمود عقاد
۱۰۸۔ الرسالۃ العلیہ	فارسی	۵۰۶	″	کمال الدین کاشفی بیہقی

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۱۰۹۔ الرسالۃ الکاملۃ	عربی ترجمہ		آکسفورڈ	علاء الدین علی بن نفیس
۱۱۰۔ رسالت محمدیہ	فارسی	۲۳۲	تہران	محمد عباس الموسوی
۱۱۱۔ الرسالۃ المحمدیۃ	عربی	۸۶	مصر	محمد کامل
۱۱۲۔ رسول اکرمؐ در میدان جنگ	فارسی	۲۰۰	تہران	محمد حمید اللہ
۱۱۳۔ رسول الاسلام	عربی	۲۷۲	بیروت	محمد صادقی
۱۱۴۔ الرسول القائد	″	۳۵۹	بغداد	محمود شیث
۱۱۵۔ الرسول محمدؐ	عربی ترجمہ	۳۲۱	مصر	محمد فروخ
۱۱۶۔ رشحۃ الرسول	فارسی	۹۴	ایران	میرزا ضیاء الدین ندیم ہاشمی
۱۱۷۔ الرسول فی المدینۃ	عربی	۲۷۹	مصر	علی حسنی الخربوطلی
۱۱۸۔ کتاب الوصف	″	۵۵۹	کویت	محمد بن محمد عبداللہ
۱۱۹۔ الروض الانف	″	۲ جلد ضخیم	بیروت	ابوالقاسم
۱۲۰۔ زنان پیغمبرؐ	فارسی ترجمہ	۲۷۹	تہران	عائشہ بنت الشاطی
۱۲۱۔ زنان پیغمبر اسلامؐ	فارسی	۴۴۴	″	حسین عماد زادہ
۱۲۲۔ زنان صدر اسلام		۱۴۲	″	محمد علی بحر العلوم
۱۲۳۔ زندگانی پیامبر		۵۲۴	تہران	علی اکبر خدیو محسن
۱۲۴۔ زندگانی حضرت محمدؐ		۱۵۴	″	غلام رضا سعیدی
۱۲۵۔ ″ ″		۷۲	″	عبداللہ نوبخت
۱۲۶۔ ″ ″		۱۰۸	″	کاظم آل نوح
۱۲۷۔ ″ ″		۱۲۳	″	س۔ نظام زادہ
۱۲۸۔ زندگانی رہبر عالم		۳۱	″	محمد جوہری
۱۲۹۔ زندگانی محمدؐ		۱۰۲	″	محسن جاویدان

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۱۳۰۔ زندگانی محمدؐ	فارسی ترجمہ	۳۱۰	تہران	کارلائل
۱۳۱۔ " "	"	۴۴۷	"	عبدالملک بن ہشام
۱۳۲۔ " "	"	دو جلد	"	محمد حسین ہیکل
۱۳۳۔ " "	فارسی	۷۳	"	محمد علی خلیلی
۱۳۴۔ زندگانی پیشوائے اسلام	"	۴۶۴	"	حسین عمادزادہ اصفہانی
۱۳۵۔ زندگی نامہ حضرت محمدؐ	"	۴۲	"	شرکت نسبی
۱۳۶۔ زندگی و آئین محمدؐ	"	۳۲۷	"	حسین خراسانی
۱۳۷۔ زبدۃ التواریخ	"	۱۹۱	"	محمد جواد نجفی
۱۳۸۔ سبیل الہدیٰ والرشاد	عربی	۳ جلد	قاہرہ	محمد بن یوسف الصالحی
۱۳۹۔ زندگی و آئین محمدؐ	فارسی	۲۲۷	تہران	ابوالقاسم پائندہ
۱۴۰۔ سرگزشت پیغمبران	"	۱۷۹	"	ابوتراب صفائی
۱۴۱۔ سعادۃ الدارین	عربی	۷۲۶	—	—
۱۴۲۔ سلام بر بعثت	فارسی	۱۴۴	تہران	عظیم صاعدی
۱۴۳۔ سیرۃ الرسولؐ	عربی	۴۴۳	مصر	محمد احمد
۱۴۴۔ السیرۃ الحلبیۃ	"	۴۴۹	"	حلبی شافعی
۱۴۵۔ سیرت در صحیحین	فارسی	۴۱۳	قم	محمد صادق نجفی
۱۴۶۔ سنن النبیؐ	عربی، فارسی	۳۱۱	تہران	محمد حسین طباطبائی
۱۴۷۔ السیرۃ المعطرۃ	عربی	۴۱۱	قاہرہ	خیرالدین عبدالعزیز
۱۴۸۔ سیرۃ المصطفیٰ	"	۷۴۷	بیروت	ہاشم معروف الحسینی
۱۴۹۔ السیرۃ النبویۃ	"	۴ جلد	مصر	عبدالملک بن ہشام
۱۵۰۔ " "	"	"	قاہرہ	ابوالفداء اسماعیل بن کثیر

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۱۵۱۔ سیرت رسول اکرمؐ	فارسی	۷۱	تہران	محمد باقر شکیبی
۱۵۲۔ سیمائے رسول اللہؐ	"	۳۵۶	"	مرتضیٰ
۱۵۳۔ سیمائے محمدؐ	عربی انگریزی	۹۳	"	علی شریعتی
۱۵۴۔ نثار گل محمدیؐ	فارسی شعر	۱۵۲	مشہد	فاطمہ محجوبی
۱۵۵۔ شخصیت محمدؐ	فارسی	۲۴۱	تہران	منصور پویا
۱۵۶۔ شخصیت و سیرت رسول اکرمؐ	فارسی ترجمہ	۳۴	"	ڈاکٹر فضل الرحمٰن
۱۵۷۔ شرح حالات نبی خاتم	"	۲۹۵	"	سید حسن لواسانی نجفی
۱۵۸۔ شرح سفر السعادۃ	فارسی	۵۸۴	—	عبدالحق دہلوی
۱۵۹۔ شرح الصلوٰت	"	۲۴۷	—	احمد بن محمد الحسینی
۱۶۰۔ شرح کلمات قصار	فارسی	۲۷۶	تہران	یکے از علماء قرن ہفتم
۱۶۱۔ الشفاء	عربی	۲۷۱	—	قاضی ابوالفضل عیاض
۱۶۲۔ شفاء الاسلام	"	۲۵۰	حیدرآباد	تقی الدین السبکی
۱۶۳۔ شارع ولی	فارسی	۱۱۶	تہران	علی دوانی
۱۶۴۔ شمائل شریف	عربی	۱۲۹	—	ابوعیسیٰ ترمذی
۱۶۵۔ شہداء الاسلام	"	۳۲۵	—	علی سامی النشار
۱۶۶۔ صفحاتی از تاریخ صدر اسلام	فارسی	۱۴۹	تہران	علی جواہر الکلام
۱۶۷۔ صورٌ من حیاۃ الرسولؐ	عربی	۶۴۵	مصر	امین دویدار
۱۶۸۔ الصلوات علی النبیؐ	"	۲۴۸	قاہرہ	محمد اسماعیل ابراہیم
۱۶۹۔ طب النبی	"	۲۲	—	محمود بن محمد چغمینی
۱۷۰۔ الطبقات الکبریٰ	"	دو جلد	سیڈن	محمد بن سعد واقدی
۱۷۱۔ الطریقۃ المحمدیہ	"	۲۲۳	قاہرہ	زین الدین برکوی

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۱۷۲۔ طلعت حق	فارسی	مجلدات	تہران	احسان اللہ اسحزی
۱۷۳۔ حلیۃ الغراء	عربی	۱۰۴	بیروت	یوسف بن اسماعیل النبہانی
۱۷۴۔ ظہور محمد مصطفےٰؐ	فارسی	۲۴۱	تہران	حسین رفیع پور
۱۷۵۔ عبقریۃ محمد عربیؐ	عربی	۱۵۸	مصر	عباس محمود العقاد
۱۷۶۔ عذر تقصیر بہ پیشگاہ محمدؐ	فارسی ترجمہ	۲۶۳	تہران	غلام رضا سعیدی
۱۷۷۔ عشرۂ ایام	عربی	۲۱۶	مصر	محمد خالد
۱۷۸۔ عصر النبیؐ	"	۸۵۲	بیروت	محمد عزت
۱۷۹۔ عظمۃ الرسولؐ	"	۳۸۹	قاہرہ	محمد عطیہ الابراشی
۱۸۰۔ فتح مکہ	فارسی	۷۴	تہران	خلیل کمرہ ای
۱۸۱۔ فتح مبین	"	۳۰۱	-	محمد عزیز اللہ صفی پور
۱۸۲۔ فروغ ابدیت	"	۹۴۸	قم	جعفر سبحانی
۱۸۳۔ فروغ بینش	عربی، فارسی، انگریزی	۵۸۶	تہران	ابوالقاسم حالت
۱۸۴۔ فلسفۃ الہجرت	عربی	۲۰۸	بیروت	دار الصادق
۱۸۵۔ فلسفہ تاریخ محمدؐ	"	۲۵۵	"	محمد جمیل
۱۸۶۔ فی خطیٰ محمد	"	۴۷۱	"	سلہب نصری
۱۸۷۔ قصۃ المولد	"	۱۸۲	تونس	محمد طاہر بن محمد شاذلی
۱۸۸۔ کارنامہ سیاسی و اجتماعی و اخلاقی	فارسی	۳۰۱	تہران	مصطفےٰ زمانی
۱۸۹۔ الکامل فی التاریخ	عربی	۵۷۹	بیروت	علی بن ابی الکرم ابن کثیر
۱۹۰۔ کحل البصر	"	۱۵۱	قم	عباس قمی
۱۹۱۔ کردار و گفتار محمد	فارسی ترجمہ	۲۴۹	تہران	خواجہ کمال الدین
۱۹۲۔ کشف الغمہ	عربی	۶۰۳	"	علی بن عیسیٰ الاربلی

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۱۹۳۔ کلمات محمدؐ	فارسی، عربی	۵۶	تہران	محمد جواد مشکوٰۃ
۱۹۴۔ گنجینۂ گہر	"	۲۲۳	"	محمد جواد صافی گلپائگانی
۱۹۵۔ المجازات النبویہ	عربی	۴۶۹	قم	سید الشریف الرضی
۱۹۶۔ مجموعہ نفیسہ	"	۵۴۵	"	شہاب الدین مرعشی نجفی
۱۹۷۔ المحجۃ البیضاء	"	۳۸۴	تہران	ملا محسن فیض کاشانی
۱۹۸۔ محمدؐ المثل الکامل	"	۴۲۴	مصر	محمد احمد جاد المولیٰ بک
۱۹۹۔ محمدؐ پیامبر خاتم	فارسی	۴۸	تہران	ترجمہ ہادی دستباز
۲۰۰۔ محمدؐ پیامبر خدا	"	۴۴۹	"	" "
۲۰۱۔ محمدؐ پیامبر شناختہ شدہ	"	دو جلد	قم	محمد علی انصاری
۲۰۲۔ محمدؐ پیامبر و سیاستدار	فارسی ترجمہ	۳۰۵	تہران	مترجم اسماعیل والی زادہ
۲۰۳۔ محمدؐ پیغمبری کہ از نو باید شناخت	فارسی	۴۰۸	"	ذبیح اللہ منصوری
۲۰۴۔ محمدؐ خاتم پیمبران	"	دو جلد	"	جماعت مولفین
۲۰۵۔ محمدؐ در نظر دیگران	فارسی ترجمہ	۱۰۸	"	کاظم نوح
۲۰۶۔ ملحمۂ اہل بیتؑ	عربی	۲۹۹	بیروت	عبد المنعم الفرطوسی
۲۰۷۔ محمدؐ رسول اللہ	فارسی	۵۱۰	تہران	محمد صبیح فتحی رضوان
۲۰۸۔ " "	عربی	۲۰۴	قاہرہ	احمد تیموریان
۲۰۹۔ " "	"	۳ جلد	تہران	دار التوحید
۲۱۰۔ " "	"	۵۱۵	مصر	محمد رشید رضا
۲۱۱۔ " "	فارسی	۱۴۹	تہران	علی جواہر کلام
۲۱۲۔ " "	عربی	۳۶۷	مصر	مترجم سلیمان بن ابراہیم
۲۱۳۔ " "	فارسی	۲۲۲	تہران	ذبیح اللہ قدیمی رضوانی

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۲۱۴۔ محمد ستارہ ای کہ در مکہ درخشید	فارسی	۲۸۲	تہران	ساداری۔م
۲۱۵۔ محمد فرستادہ خدا	فارسی ترجمہ	۱۸۴	″	مولانا محمد علی
۲۱۶۔ محمد قدوۃ واسوۃ	عربی	۷۹	″	محمد تقی مدرسی
۲۱۷۔ محمد ناپلیون اسماء	عربی ترجمہ	۱۲۱	بیروت	مترجم محمد صالح البنداق
۲۱۸۔ محمد والقرآن	عربی	۲۲۲	بغداد	کاظم آل نوح
۲۱۹۔ محمد و تعلیمات عالیہ اسلام	فارسی	۱۶۳	تہران	حسین کاظم زادہ ایرانشہر
۲۲۰۔ محمد و زمامداران	″	۳۲۸	قم	احمد صابری ہمدانی
۲۲۱۔ محمد و مکتب درخشانش	″	۱۴۴	تہران	محمد جواد و اعظمی سبزواری
۲۲۲۔ مدائن الفضائل المعاجز	عربی	۳۹۱	″	علی بن الحسن اصفہانی نجفی
۲۲۳۔ مسئلہ وحی	فارسی	۱۱۴	″	مہدی بازرگان
۲۲۴۔ مطلع النور	عربی	۱۸۳	بیروت	عباس العقاد
۲۲۵۔ مظاہر محمدی	فارسی ترجمہ	۲۳۶	تہران	توفیق الحکیم
۲۲۶۔ مع المصطفیٰ	عربی	۳۲۴	بیروت	عائشہ بنت الشاطی
۲۲۷۔ المعراج	″	۱۳۵	قاہرہ	عبدالکریم بن ہوازن
۲۲۸۔ المغازی	″	تین جلد	لندن	محمد بن عمر واقدی
۲۲۹۔ مفاہیم القرآن	″	۳۹۲	قم	جعفر سبحانی
۲۳۰۔ مکاتیب الرسولؐ	″	۶۰۸	بیروت	علی بن حسین بن علی الاحمدی
۲۳۱۔ ملخص السیرۃ النبویہ	″	۱۸۰	مکتبۃ السعادۃ	السید علی الشافعی
۲۳۲۔ ملف خاص بالہجرۃ	″	۹۴	لبنان	نشریہ المنطلق
۲۳۳۔ مناقب آل ابی طالب	″	۳۲۴	قم	محمد بن علی ابن شہر آشوب
۲۳۴۔ منتہی الآمال		۵۱۱	تہران	عباس قمی

نام کتاب	زبان	صفحات	طباعت	مؤلف
۲۳۵۔ المواہب اللدنیہ	عربی	۲ جلد	الطبقۃ الشرفیہ	احمد بن محمد بن ابی بکر القسطلانی
۲۳۶۔ موسوعہ آل النبیؐ	″	۹۶۷	بیروت	عائشہ بنت الشاطی
۲۳۷۔ المولد النبوی الشریف	″	۶۵	نجف	جعفر نقوی
۲۳۸۔ مولد النبیؐ	″	۲۳	دمشق	سید محسن عاملی
۲۳۹۔ ناسخ التواریخ	فارسی	۴ جلد	قم	میرزا محمد تقی سپہر لسان الملک
۲۴۰۔ نبردہای محمدؐ	″	۳۰۰	تہران	نصرت اللہ بختورتاش
۲۴۱۔ نبی الرحمۃ محمدؐ	عربی	۱۱۴	نجف	السید جعفر البشر الحسینی
۲۴۲۔ النبی محمدؐ	″	۴۶۳	بیروت	عبدالکریم الخطیب
۲۴۳۔ نخستین معصوم	فارسی	۳۲۳	تہران	جواد فاضل
۲۴۴۔ نغمہ اسیری	″	۱۵۹	تبریز	عبدالرحیم طالب
۲۴۵۔ مجلۃ الاضواء	عربی	۱۴۴	نجف	مقالات
۲۴۶۔ نعت رسولؐ	فارسی	دیوان	تہران	ضیاء الدین
۲۴۷۔ نگرش کوتاہ بزندگی پیامبر اسلام	″	۲۷۴	قم	نویسندگان در راہ حق
۲۴۸۔ نہج الفصاحہ	فارسی ترجمہ	۳۵۵		ابوالقاسم پائندہ
۲۴۹۔ نہج الہدایت	″	۱۲۴	تہران	مترجم خطیب
۲۵۰۔ الوحی المحمدی	عربی	۳۳۵	مصر	محمد رشید رضا
۲۵۱۔ وحی محمدی	فارسی ترجمہ	۳۸۰	تہران	مترجم محمد علی
۲۵۲۔ وفاء الوفاء	عربی	۶۵۹	بیروت	نورالدین السمہودی
۲۵۳۔ وقائع السنین والاعوام	فارسی	۶۴۰	تہران	حسینی خاتون آبادی
۲۵۴۔ ہادی عالمؐ	اردو	۳۱	لاہور	قاضی عبدالحمید قریشی
۲۵۵۔ ہجرۃ الرسولؐ الی عرب الانصار	عربی	۲۴۷	قاہرہ	عبدالدائم الانصاری